الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

عقل مند وہ ہے جو دوسروں کی غلطیوں کو بھول
جائے۔ اور اپنی غلطیوں کو ہمیشہ یاد رکھے

جون ۱۹۸۳ □ قیمت فی پرچہ — تین رُوپے □ شمارہ ۷۹

اسلامی مرکز کا ترجمان

الرسالہ

جون ۱۹۸۳
شمارہ ۷۹

جمعیۃ بلڈنگ ، قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۱۱۰۰۰۶ (انڈیا)

تعارفی سٹ

اسلام کے تعارف پر ہم نے پانچ کتابوں کا ایک سٹ تیار کیا ہے جو مدارس میں ابتدائی اسلامی تعلیم کے لئے بھی مفید ہے اور اسلام کے عمومی تعارف کے لئے بھی۔ یہ سٹ حسب ذیل ہے۔

۱۔ سچا راستہ	دو روپیہ
۲۔ دینی تعلیم	تین روپیہ
۳۔ حیات طیبہ	تین روپیہ
۴۔ باغ جنت	تین روپیہ
۵۔ نار جہنم	تین روپیہ

اس تعارفی سٹ کو اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں شائع کرنے کے لئے جو لوگ کوئی تعاون کریں وہ انشاء اللہ خدا کے یہاں اس کا اجر پائیں گے۔

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

زر تعاون سالانہ ۳۶ روپیہ • خصوصی تعاون سالانہ دو سو روپے • بیرونی ممالک سے ۲۰ ڈالر امریکی

جدّوجہد حیات کا سبق

رمضان کے مہینہ کو حدیث میں صبر کا مہینہ (شہر الصبر) کہا گیا ہے۔ صبر و استقامت بلاشبہہ زندگی کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ یہی تمام فتوحات اور کامیابیوں کا راز ہے۔ حقیقی روزہ صبر کی صفت پیدا کرتا ہے اور صبر ہی وہ چیز ہے جو تمام اعلیٰ کامیابیوں کا دروازہ ہے۔

رمضان کا مہینہ آدمی کے لئے اپنے نفس اور اپنی خواہشات سے لڑنے کا مہینہ ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جب کہ مومن شیطانی طاقتوں کو زیر کرکے ان کے اوپر قابو پاتا ہے اور دوبارہ خدا کی بندگی کا عزم لے کر نئے سال میں داخل ہوتا ہے۔

تاریخ حیرت انگیز طور پر روزہ کی اس خصوصیت کی تصدیق کرتی ہے۔ چنانچہ روحانی مقابلہ کا یہ مہینہ اسلام کی تاریخ میں فوجی مقابلہ کا مہینہ بھی رہا ہے۔ اسلام اور غیر اسلام کے کئی بڑے بڑے معرکے اسی مبارک مہینہ میں پیش آئے ہیں۔ مثال کے طور پر ان میں سے چند یہ ہیں:

غزوۂ بدر (رمضان ۲ ھ) جس نے پیغمبرؐ اور آپ کے ساتھیوں کو قریش کے اوپر فیصلہ کن فتح دی۔

فتح مکہ (رمضان ۸ ھ) جس نے پورے عرب پر اسلام کو غالب کر دیا۔

غزوۂ تبوک (رمضان ۹ ھ) جس نے رومیوں کے اوپر اہل اسلام کی دھاک قائم کر دی۔ غزوۂ تبوک رجب میں شروع ہو کر رمضان میں ختم ہوا۔

معرکۂ اسپین (رمضان ۹۱ ھ) جب کہ طارق بن زیاد نے اسپین میں کامیاب پیش قدمی کی۔

معرکۂ عین جالوت (رمضان ۶۵۸ ھ) جس نے تاتاریوں کو شکست دے کر مسلم دنیا میں ان کی پیش قدمی کو روک دیا۔

معرکۂ سوئز (رمضان ۱۳۹۳ھ) جب کہ مصری فوجوں نے اسرائیلی فوجوں کو شکست دے کر نہر سوئز پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

اس قسم کے تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ روزہ اور جدوجہد حیات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ روزہ کی بھوک پیاس آدمی کو کمزور نہیں کرتی۔ بلکہ وہ اس کو اس قابل بناتی ہے کہ زندگی کے معرکہ میں زیادہ قوت کے ساتھ حصہ لے سکے۔

خبر غلط تھی

نیل آرم اسٹرانگ مشہور امریکی خلاباز ہیں۔ وہ تاریخ کے پہلے انسان ہیں جنہوں نے ۲۱ جولائی ۱۹۶۹ کو چاند پر قدم رکھا۔ وہ اس سے پہلے امریکہ کے خلائی ادارہ ناسا (NASA) سے متعلق تھے۔ اب اس سے الگ ہوکر وہ ایک یونیورسٹی میں پروفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

پچھلے دنوں ملیشیا کے اخبار اسٹار (۱۰ جنوری ۱۹۸۳) اور سری لنکا کے ڈیلی نیوز پیپر (۲۹ جنوری ۱۹۸۳) میں ایک خبر چھپی جو بہت جلد دوسرے مسلم اخبارات میں نقل ہوکر دنیا بھر میں پھیل گئی۔ یہاں ہم اسٹار کی خبر اور اس کا ترجمہ نقل کرتے ہیں:

The world-famous astronaut Neil Armstrong was the first man to set foot on the moon. He has since become a Muslim and the reason given was that when he first stepped on the moon he heard a sound which was very clear to him and his companions. At that time, he thought his ears were playing tricks on him as he was rather excited and over-awed by his first experience on the moon. When he was sent on a lecture tour to the various contries, one of the places he visited was Cairo, Egypt, and he heard the same sound again. So he asked the Egyptian companion nearest to him what the sound was. He was told that it was Azan, the call to prayer and the glorification of God. He was astounded for that was the same sound and the same words to the best of his memory that he heard on the moon. It was then that he decided to learn something about the religion and finally embraced Islam. As a result of that, he lost his coveted job. But, according to him, he had found God, and nothing else mattered.

دنیا کے مشہور خلاباز آرم اسٹرانگ پہلے شخص ہیں جنہوں نے چاند پر قدم رکھا۔ وہ اس کے بعد سے مسلمان ہو گئے ہیں اور وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ جب پہلی بار انہوں نے چاند پر قدم رکھا تو انہوں نے وہاں ایک آواز سنی جو ان کے لئے اور ان کے ساتھیوں کے لئے بہت صاف تھی۔ اس وقت ان کو خیال آیا کہ ان کے کانوں کو دھوکا ہو رہا ہے۔ کیوں کہ اس وقت وہ چاند کو پہلی بار دیکھ رہے تھے۔ اور ان پر ایک استعجاب کی کیفیت طاری تھی۔ بعد میں وہ مختلف ملکوں میں لیکچر دینے کے لئے گئے۔ اس دوران وہ قاہرہ (مصر) بھی گئے۔ وہاں انہوں نے وہی آواز دوبارہ سنی جو انہوں نے چاند پر سنی تھی۔ انہوں نے اپنے قریب کے مصری ساتھی سے پوچھا کہ یہ آواز کیا ہے۔ ان کو بتایا گیا کہ یہ اذان ہے جو عبادت کی پکار ہے اور اس میں خدا کی بڑائی بیان کی جاتی ہے۔ آرم اسٹرانگ کو بہت تعجب ہوا۔ کیونکہ یہ ان کے حافظہ کے مطابق وہی آواز اور وہی الفاظ تھے جو انہوں نے چاند پر سنے تھے۔ اس وقت انہوں نے اسلام کے متعلق جاننے کا

NEIL A. ARMSTRONG
31 N. BROADWAY
LEBANON, OHIO 45036
TELEPHONE 513-932-6833

May 5, 1983

Mr. Wahuddudin Khan
President, Islamic Centre, Delhi
Office Al-Risala Monthly
Jamiat Building
Qasim Jan Street
Delhi - 110006
India

Dear Mr. Khan:

Thank you for the courtesy of your letter.

The reports of my conversion to Islam, of hearing the voice of Adzan on the moon, and later in Cairo (I have never been in Egypt) are all untrue.

Several magazines and newspapers in Malaysia, Indonesia and elsewhere have published these reports without verification. I apologize for any inconvenience that this incompetent jouralism may have caused you.

Sincerely,

Neil A. Armstrong

NAA:vw

فیصلہ کیا اور بالآخر اسلام قبول کرلیا۔ اس کے نتیجہ میں انہوں نے اپنی قابل رشک ملازمت کھودی۔ مگر ان کا کہنا ہے کہ میں نے خدا کو پالیا ہے۔ اور اب کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں۔

یہ خبر دوسرے اخبارات میں نقل ہوئی تو اس میں مزید اضافے بھی کردیئے گئے۔ مثلاً یہ کہ آرم اسٹرانگ نے چاند کی آواز کو ٹیپ ریکارڈ کرلیا تھا اور زمین پر آکر اذان کی آواز کو اس سے ملایا۔ وغیرہ۔

اس سلسلہ میں راقم الحروف نے ایک خط مسٹر آرم اسٹرانگ کو لکھا تھا۔ انہوں نے اس خبر کی تردید کی ہے اور اس کو بے بنیاد بتایا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے ذاتی دستخط سے جو جواب موصول ہوا ہے اس کا عکس علٰحدہ صفحہ پر دیا جارہا ہے۔ آرم اسٹرانگ اپنے جواب میں لکھتے ہیں:

آپ کے خط کا شکریہ۔ میرے اسلام قبول کرنے کی خبریں، اذان کی آواز کو چاند پر اور اس کے بعد قاہرہ میں سننا، سب خلاف واقعہ ہیں۔ میں کبھی مصر نہیں گیا۔ ملیشیا، انڈونیشیا اور دوسرے مقامات کے کچھ رسالوں اور اخبارات نے یہ خبریں بغیر تصدیق کئے ہوئے چھاپی ہیں۔ اس نااہل صحافت نے آپ کو جو بھی زحمت دی ہو اس کے لئے میں معذرت چاہتا ہوں ——

خلوص کے ساتھ، آرم اسٹرانگ

خبر کے مطابق اس واقعہ میں حکومت امریکہ بھی ملوث تھی۔ کیونکہ خبر میں بتایا گیا تھا کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے مسٹر آرم اسٹرانگ کی سرکاری ملازمت ختم کردی گئی ہے۔ اس بنا پر خود حکومت امریکہ نے بھی اس کی تردید کا اہتمام کیا۔ ۱۲ مئی ۱۹۸۳ کو نئی دہلی کے امریکن سینٹر میں ایک خصوصی ٹیلی پریس کانفرنس ہوئی۔ اس میں اخبارات کے نمائندوں کو موقع دیا گیا کہ وہ ٹیلی فون کے ذریعہ براہ راست آرم اسٹرانگ سے بات کریں۔ اس ٹیلی پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے امریکی خلاباز نے اپنے قبول اسلام کی تردید کی (ہندستان ٹائمس ۱۳ مئی ۱۹۸۳) مزید انہوں نے کہا کہ اسلام کی تعلیمات کبھی ان کے سامنے نہیں آئیں اور نہ انہوں نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے:

He had never been exposed to Islamic teachings nor had he read the Quran.

کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمانوں نے آرم اسٹرانگ اور ان جیسے دوسرے بندگان خدا کے سلسلہ میں اپنی تبلیغی ذمہ داریوں کو تو پورا نہیں کیا۔ البتہ فرضی کہانیاں بنا کر خوش ہورہے ہیں کہ چاند سے لیکر امریکی خلاباز تک سب کو ان کے دین اعظم نے فتح کر رکھا ہے۔

ہمدردان مرکز کی خدمت میں

مکرمی و محترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اسلامی مرکز کی ابتدا نومبر ۱۹۷۰ میں ہوئی۔ ۱۹۷۶ میں ماہنامہ الرسالہ جاری ہوا۔ اور مکتبہ الرسالہ قائم ہوا۔ ان کا خاص مقصد اسلامی تعلیمات کو عصری اسلوب میں پیش کرنا تھا۔ بفضلہ تعالیٰ یہ کام اردو زبان میں کامیاب طور پر جاری ہے۔ فکری طور پر اسلامی مرکز کا فکر سب سے زیادہ غالب فکر بنتا جارہا ہے۔ یہ مشن اب ملکی حدود سے گزر کر بین اقوامی حدود میں داخل ہوچکا ہے۔

اب یہ طے کیا گیا ہے کہ اسلامی مرکز کے منصوبہ کے تحت مزید شعبوں کو بھی باقاعدہ طور پر قائم کیا جائے مثلاً دارالتصنیف، دارالترجمہ، جدید طرز کی اسلامی درس گاہ، داعیوں کی تربیت کا کورس، مختلف زبانوں میں پریس، مکمل اسلامی لائبریری۔ تربیتی اور تبلیغی ادارہ، الرسالہ کا انگریزی اور عربی اڈیشن، مکتبہ الرسالہ کی کتابوں کی دوسری عالمی زبانوں میں اشاعت وطباعت کا انتظام وغیرہ

اس جامع منصوبہ کو بروئے کار لانے کے لئے کثیر وسائل کی ضرورت ہے۔ وسیع عمارت، کارکنوں کی ایک ٹیم اور دوسرے ضروری وسائل کے بغیر یہ کام نہیں کیا جاسکتا۔ اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے ہم کو آپ کے خصوصی مالی تعاون کی شدید ضرورت ہے۔

ہماری آپ سے اپیل ہے کہ آپ خود بھی اس مالی تعاون میں حصہ لیں اور اپنے حلقۂ تعارف میں دوسروں کو بھی اس اہم ترین دینی کام میں حصہ لینے پر آمادہ کریں۔

واضح ہو کہ اسلامی مرکز میں ہر نوعیت کے مختلف شعبے ہیں۔ اور ان کے لئے عام عطیات و تعاون کے علاوہ زکوٰۃ و صدقات کی مد کی رقمیں بھی بھیجی جاسکتی ہیں۔ رقم بھیجتے ہوئے براہ کرم اس کی مد کی صراحت فرمائیں۔

اسلامی مرکز کا مقصد دور جدید میں اسلام کا احیاء اور ملت اسلامی کی تعمیر ہے۔ بلاشبہہ یہ وقت کا اہم ترین کام ہے۔ ہم کو پوری امید ہے کہ آپ اس سلسلے میں ہمارے ساتھ مالی تعاون کریں گے اور اپنے بس بھر اس میں پوری شرکت فرمائیں گے۔

وحیدالدین خاں، صدر اسلامی مرکز

دفتر الرسالہ، جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

ہار مان لینا

امریکہ کے ایک شخص نے ۱۸۳۱ء میں تجارت کی۔ اس میں وہ ناکام ہوگیا۔ ۱۸۳۲ میں اس نے ملکی سیاست میں حصہ لیا مگر وہاں بھی اس نے شکست کھائی۔ ۱۸۳۴ میں اس نے دوبارہ تجارت کی۔ اس بار بھی وہ اپنی تجارت کو چلانے میں ناکام رہا۔

۱۸۴۱ میں اس کے اعصاب جواب دے گئے۔ ۱۸۴۳ میں وہ دوبارہ سیاست میں داخل ہوا۔ اس کو امید تھی کہ اس بار اس کی پارٹی اس کو کانگرس کی ممبری کے لئے نامزد کردے گی۔ مگر آخر وقت میں اس کی امید پوری نہ ہوسکی۔ اس کا نام پارٹی کے امیدواروں کی فہرست میں نہیں آیا۔ ۱۸۵۵ میں اس کو پہلی بار موقع ملا کہ وہ سینٹ کے لئے کھڑا ہو۔ مگر وہ الکشن میں ہار گیا۔ ۱۸۵۸ میں وہ دوبارہ سینٹ کے الکشن میں کھڑا ہوا اور دوبارہ شکست کھائی۔

یہ بار بار ناکام ہونے والا شخص ابراہام لنکن (۶۵-۱۸۰۹) تھا جو ۱۸۶۰ میں امریکہ کا صدر منتخب ہوا۔ اس نے امریکہ کی تعمیر میں اتنا بڑا کام کیا کہ آج وہ نئے امریکہ کا معمار سمجھا جاتا ہے۔

ابراہام لنکن کو امریکہ کی قومی اور سیاسی تاریخ میں اتنا معزز نام کیسے ملا اور وہ اس اونچے مقام تک کس طرح پہنچا، ڈاکٹر نارمن ونسنٹ پیل کے الفاظ میں اس کا جواب یہ ہے کہ ——— وہ جانتا تھا کہ شکست کو کس طرح تسلیم کیا جاتے :

He knew how to accept defeat

حقیقت پسندی زندگی کا سب سے بڑا راز ہے اور ہار ماننا حقیقت پسندی کی اعلیٰ ترین قسم۔ ہار ماننے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس حقیقت واقعہ کا اعتراف کرلیں کہ آپ دوسروں سے آگے نہیں ہیں بلکہ دوسروں سے پیچھے ہیں۔ بالفاظ دیگر، آپ جہاں فی الواقع ہیں وہیں نظری طور پر اپنے آپ کو کھڑا مان لیں۔ ہار ماننے کے بعد آدمی فوراً اس حیثیت میں ہوجاتا ہے کہ وہ اپنا سفر شروع کرسکے۔ کیونکہ سفر ہمیشہ وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں آپ فی الواقع ہیں نہ کہ وہاں سے جہاں ابھی آپ پہنچے ہی نہیں۔

زکوٰۃ کے بارے میں

قرآن میں زکوٰۃ کی آٹھ مدوں کا ذکر ہے۔ جن میں سے ایک مد فی سبیل اللہ (التوبۃ) ہے۔ یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنا۔ قرآن کا لفظ اگرچہ عام (اللہ کے راستے میں) ہے۔ تاہم جمہور فقہائے اس مد کو جنگ کے لئے خاص کیا ہے۔ ان کا متفقہ مسلک یہ ہے کہ زکوٰۃ کی یہ مد ان افراد کے لئے ہے جو ذاتی طور پر بطور خود کسی اسلامی جنگ میں حصہ لیں۔ اور حکومت کی طرف سے ان کی تنخواہ مقرر نہ ہو۔ (جمہور العلماء علی ان المراد بہ ھنا الغزو۔ وان سہم (سبیل اللہ) یعطی للمتطوعین من الغزاۃ الذین لیس لہم مرتب من الدولۃ، فقہ السنۃ، المجلد الاوّل صفحہ ۳۹۳)

اگر مسئلہ کی اس صورت کو تسلیم کر لیا جائے تو گویا فی سبیل اللہ کی ہدایت اب عملاً منسوخ ہو چکی ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا طرز پر جنگ میں شریک ہونا صرف قدیم زمانہ میں ممکن تھا۔ اب جدید حالات میں اس قسم کی شرکت کا کوئی امکان نہیں۔ کیونکہ موجودہ زمانہ کی جنگ اتنی زیادہ پیچیدہ اور ٹکنکل ہوتی ہے کہ صرف باقاعدہ طور پر تربیت یافتہ لوگ ہی اس میں حقیقی حصہ لے سکتے ہیں۔ غیر تربیت یافتہ لوگوں کو جنگ میں حصہ لینے کا موقع دینا موجودہ زمانہ میں خود اپنے ہاتھوں اپنی شکست کا انتظام کرنا ہے۔ بالفاظ دیگر، اب صرف حکومت کے مشاہرہ یاب افراد ہی جنگ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ دراصل فی سبیل اللہ ایک عام لفظ ہے۔ اس میں وہ تمام کام شامل ہیں جو اللہ کے راستے میں کئے جائیں۔ خاص طور پر اس سے وہ کام مراد ہے جس کو قرآن میں دعوت الی اللہ کہا گیا ہے۔ اسلام میں اصل چیز "حرب" نہیں بلکہ اصل چیز "دعوت" ہے۔ اسلامی عمل اصلاً دعوت سے شروع ہوتا ہے اور حرب صرف اس وقت پیش آتی ہے جب کہ فریق ثانی کی طرف سے اس کا آغاز کر کے داعیان اسلام کو دفاعی مقابلہ کے لئے مجبور کر دیا گیا ہو:

ومن اھم ماینفق فی سبیل اللہ فی زماننا ھذا اعداد الدعاۃ الی الاسلام وارسالھم الی بلاد الکفار من قبل جمعیات منظمۃ تمدّھم بالمال الکافی کما یفعلہ الکفار فی نشر دینھم۔
رشید رضا، تفسیر المنار

فی سبیل اللہ میں خرچ کی سب سے اہم مد موجودہ زمانہ میں یہ ہے: اسلام کے داعی تیار کرنا اور اسلامی تنظیموں کی طرف سے ان کو غیر مسلمین کے ملکوں میں بھیجنا جو کافی مال سے ان داعیوں کی مدد کریں۔ جس طرح دوسرے مذاہب والے اپنے دین کو پھیلانے کے لئے کرتے ہیں۔

پاگل پن

ایک لطیفہ ہے کہ کسی وکیل صاحب نے قانون کی پریکٹس میں کافی پیسہ کمایا تھا۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے وصیت نامہ لکھوایا۔ اپنی وصیت میں انہوں نے کہا تھا کہ میری ساری دولت اور جائداد میرے مرنے کے بعد پاگل لوگوں میں تقسیم کردی جائے۔ کسی نے اس کارخیر کی وجہ پوچھی تو وکیل صاحب نے جواب دیا:

میرے پاس جو کچھ ہے وہ پاگلوں ہی سے تو مجھے ملا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ "قانون" کا کاروبار پاگل انسانوں کے ذریعہ دنیا میں قائم ہے۔ آدمی انتقام کے جوش میں آکر کسی کو قتل کر دیتا ہے۔ کوئی شخص کسی کی جائداد ہڑپ کرلیتا ہے کوئی حسد اور بغض کا شکار ہو کر کسی کو پریشان کرنا چاہتا ہے اور اپنے آپ کو بے بس پاکر اس کو عدالت کے شکنجہ میں الجھانے کے لئے اس کے اوپر جھوٹے مقدمے قائم کرتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے ذریعہ وکیلوں کی تجارت قائم ہے۔

اس قسم کے لوگ اگرچہ اپنے کو عاقل اور ہوشیار سمجھتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بدترین قسم کے پاگل ہیں۔ عام پاگل صرف اپنے لئے پاگل ہوتے ہیں۔ مگر یہ ہوشیار پاگل اپنے ساتھ ساری انسانیت کے لئے پاگل ہیں۔ ان کی آخری سزا اگرچہ خدا کے یہاں ملے گی۔ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ موجودہ دنیا میں بھی بالآخر وہ عبرت ناک انجام کا شکار ہوتے ہیں۔ جس انسان کو انہوں نے اپنے پاگل پن کا شکار بنانا چاہا تھا، وہ تو خدا کی مدد سے محفوظ رہتا ہے۔ مگر یہ لوگ خود اسی گڑھے میں داخل کردیئے جاتے ہیں جہاں وہ دوسروں کو داخل کرنا چاہتے تھے۔

ہر آدمی جو کچھ کرتا ہے اپنے فائدہ کے لئے کرتا ہے۔ اپنا فائدہ انسان کا سب سے بڑا معبود ہے۔ آدمی اگر معتدل حالت میں ہو تو وہ کبھی جان بوجھ کر ایسی کاروائی نہیں کریگا، جو اس کو خود اپنے نقصان کی طرف لے جانے والی ہو۔ مگر غصہ اور انتقام وہ چیزیں ہیں جو آدمی کو اندھا کردیتی ہیں۔ وہ دوسرے کی ضد میں ایسی کاروائیاں کرنے لگتا ہے جس کا نقصان بالآخر خود اسی کو اٹھانا پڑے۔ ایسی ہر کاروائی یقینی طور پر پاگل پن ہے۔ معروف پاگل اگر طبی پاگل ہوتے ہیں تو ایسے لوگ نفسیاتی پاگل۔

زبان درازی

سقراط کا قول ہے ۔ اگر تم اتنے زبان دراز ہو کہ تمہاری زبان درازی کے مقابلہ میں کوئی تم سے جیت نہ سکے تو تم کبھی غریبوں کے ساتھ ہمدردی نہیں کر سکتے ۔

بظاہر یہ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے کہ زبان درازی اور غریبوں کے ساتھ ہمدردی سے کیا تعلق ۔ لیکن گہرائی کے ساتھ دیکھئے تو ان میں بہت گہرا تعلق ہے ۔ غریب کے ساتھ ہمدردی وہی شخص کر سکتا ہے جو حق کا اعتراف کرنا جانتا ہو ، خواہ اس حق کا تعلق ایک غریب آدمی سے کیوں نہ ہو۔

ایک واقعہ سے اس کی بخوبی وضاحت ہو جائے گی ۔ ایک زمیندار نے اپنا آم کا باغ کسی باغبان کے ہاتھ فروخت کیا ، جب درختوں میں پھل لگے تو آندھی آئی ۔ اس آندھی میں بہت سے پھل گر گئے ۔ باغبان کو اندیشہ ہوا کہ وہ پھلوں کی فروخت سے پوری قیمت حاصل نہ کر سکے گا اور اس کو نقصان ہوگا ۔ اس نے ٹوٹے ہوئے آم ایک ٹوکری میں رکھے اور ان کو لے کر زمیندار کے پاس گیا ۔ اور کہا کہ دیکھئے آندھی کی وجہ سے کافی پھل گر گئے ہیں اور ہم کو نقصان کا اندیشہ ہے اس لئے آپ باغ کی قیمت میں کچھ کمی کر دیں ۔

زمیندار نے یہ سنا تو بگڑ کر کہا جب تم نے ہمارا باغ خریدا تھا اس وقت تم کو یہ معلوم نہ تھا کہ باغ کے گرد کوئی ایسی اونچی دیوار کھڑی ہوئی نہیں ہے جو آندھی اور باغ کے درمیان روک بن سکے ۔ غریب باغبان مایوس ہو کر چلا گیا ۔

زمیندار کے ایک دوست اس وقت زمیندار کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ۔ اور زمیندار اور باغبان کی پوری بات سن رہے تھے ۔ جب باغبان چلا گیا تو انہوں نے زمیندار سے کہا ، تم بہت سنگدل معلوم ہوتے ہو ، غریب آدمی پر رحم کرنا نہیں جانتے ۔ زمیندار صاحب نے یہ سن کر کہا ۔ آپ جیسے تعلیم یافتہ لوگ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان کو رزق دیتا ہے ، مگر حقیقت یہ ہے کہ رزق دینے والا خدا ہے ، وہ بہر حال ہر ایک کو اس کا رزق پہنچاتا ہے ۔

طاقتور کے مقابلہ میں آدمی زیادہ بول نہیں پاتا ۔ مگر جب کمزور سے معاملہ ہو تو وہ خوب زبان درازی دکھاتا ہے ۔ اس کی یہ زبان درازی اس کو یہ موقع نہیں دیتی کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ معاملہ کو سمجھے اور حق کو مان کر اس کے مطابق وہ کرے جو اسے کرنا چاہئے ۔

زندگی کی سڑک

سڑکوں میں چوراہے ہوتے ہیں۔ یعنی ایسے مقامات جہاں پورب سے پچھم جانے والی سڑک پر ان مسافروں کے لئے راستہ جو اتر سے دکھن یا دکھن سے اتر جا رہے ہوں۔

ٹریفک قانون کے تحت یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ایک طرف کی سڑک بند کر کے دوسری طرف کی سڑک کھول دی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے علامتی طور پر ہرا سگنل اور لال سگنل استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک گاڑی چلتے چلتے چوراہہ پر پہنچتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کے سامنے لال سگنل روشن ہو گیا ہے تو وہ وہیں رک جاتی ہے تاکہ دوسری سڑک سے چلنے والی سواریوں کو گذرنے کا موقع دیدے۔ جب دوسری سڑک کی سواریاں نکل جاتی ہیں تو لال سگنل کی جگہ ہرا سگنل روشن ہو جاتا ہے۔ اب آپ کی سواری کے لئے موقع ہوتا ہے کہ وہ چوراہہ کو پار کر کے آگے بڑھے اور اپنا سفر جاری رکھے۔

چوراہہ کا یہ قانون زندگی کا قانون بھی ہے۔ زندگی کی سڑک کوئی خالی سڑک نہیں جس پر آپ اپنی مرضی کے مطابق صرف اپنی گاڑی دوڑاتے رہیں۔ یہاں دوسرے بھی بہت سے لوگ ہیں اور وہ بھی اپنا اپنا سفر طے کرنا چاہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ ہر ایک اپنے اندر یہ وسعت اور لچک پیدا کرے کہ وہ یہاں خود راستہ لینے کے ساتھ دوسروں کو بھی راستہ دے۔ جو لوگ اپنے اندر یہ حکمت پیدا نہ کریں ان کا انجام وہی ہوگا جو ایسے چوراہہ کا، جہاں کوئی سوار اپنی سواری کو نہ روکے۔ ہر ایک بس اندھا دھند اپنی سواری دوڑاتا رہے۔

یاد رکھئے، زندگی کی شاہراہ پر آپ ہی اکیلے نہیں ہیں۔ یہاں بہت سے دوسرے چلنے والے بھی ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ زندگی کی شاہراہ پر آگے بڑھیں تو آپ کو دوسروں کے لئے بھی گزرنے کا موقع دینا ہوگا۔ سڑک کے کسی حصہ پر اگر آپ اپنی گاڑی کو دوڑانے کا موقع پا رہے ہیں تو سڑک کے کسی دوسرے حصہ پر آپ کو اپنی گاڑی روکنی بھی ہوگی تاکہ دوسری سواریاں ٹکرائے بغیر گزرنے کا موقع پا سکیں۔

اپنا حق لینے کے لئے دوسروں کا حق دینا پڑتا ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ دوسروں کو ان کا حق دئے بغیر اپنا حق پالیں تو موجودہ دنیا میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔

ایمان میں اضافہ

ایک سائنس داں نے کہا "فطرت کا مطالعہ میرا مذہب ہے۔ جس دن میں فطرت کی کوئی نئی چیز نہیں دریافت کرتا، میں سمجھتا ہوں کہ وہ دن میں نے ضائع کر دیا" یہ اس انسان کا حال ہے جو مخلوقات میں جیتا ہے۔ پھر اس انسان کا حال اس سے مختلف کیسے ہو سکتا ہے جو خالق میں جیتا ہو۔ جس طرح سائنس داں ہر روز مخلوقات میں کوئی نئی چیز دریافت کرتا ہے، اسی طرح مومن کو ہر روز خالق کی نسبت سے کوئی ایسی ہی چیز پانا چاہئے جو اس کے ایمان میں اضافہ کرنے والا ہو۔ مومن جس روز کوئی نئی چیز نہ پائے، وہ دن گویا اس نے ضائع کر دیا، اس دن گویا خدا سے اس کا ربط قائم نہیں ہوا۔

ایمان خدا کی دریافت کا دوسرا نام ہے۔ خدا ایک مسلسل حقیقت ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ اس لئے اس کی دریافت بھی ایک مسلسل واقعہ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ جو ایمان اضافہ پذیر نہ ہو وہ غفلت کی ایک قسم ہے، اس کو حقیقی معنوں میں ایمان نہیں کہا جا سکتا۔

جس کا ذہن خدا کی طرف متوجہ ہو، جس کا دل خدا کی طرف لگا ہوا ہو اس کو بار بار خدا کی نئی تجلیات کا ادراک ہوتا ہے۔ وہ بار بار خدا کی نئی جھلک پاتا رہتا ہے۔ جس طرح خدا کے کمالات کہیں ختم نہیں ہوتے اسی طرح مومن کا سفر معرفت بھی کسی حد پر ختم نہیں ہوتا۔

یہ نئی معرفت کبھی ایسی ربانی کیفیات کی صورت میں امنڈتی ہے جس سے وہ اس سے پہلے کبھی آشنا نہیں ہوا تھا۔ کبھی ایسے دعائیہ الفاظ کے روپ میں بے اختیار اس کی زبان پر آجاتی ہے جو اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ کبھی وہ خدا کی حکمتوں میں سے کسی ایسی حکمت کا راز پالیتا ہے جو اس سے پہلے اس پر نہیں کھلے تھے۔ کبھی وہ خدا کی قربت کا ایسا تجربہ کرتا ہے جو اس سے پہلے کبھی اس کے علم میں نہیں آئے تھے۔ کبھی اس پر ایسے نئے معانی کا القاء ہوتا ہے جس کے اظہار کے لئے اس کے تمام معلوم الفاظ عاجز نظر آنے لگتے ہیں۔

قرآن کا اہم ترین حصّہ

پروفیسر فلپ ہٹی نے اپنی کتاب ہسٹری آف دی عربس میں قرآن کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن کے سب سے زیادہ پراثر حصے وہ ہیں جو آخرت کے معاملات سے بحث کرتے ہیں۔ (صفحہ ۱۳۰)

The most impressive parts of the Koran deal with eschatology

جن غیر مسلموں نے قرآن کو پڑھا ہے وہ عام طور پر اسی قسم کے تاثر کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کو سب سے کم جو چیز قرآن میں ملتی ہے وہ یہی آخرت ہے۔ مسلمان ہر چیز قرآن میں پالیتے ہیں مگر اسی چیز کو نہیں پاتے جو قرآن میں سب سے زیادہ بلکہ ہر ہر صفحہ پر پھیلی ہوئی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر مسلم عام طور پر خالی الذہن ہوتا ہے۔ وہ صرف یہ جاننے کے لئے پڑھتا ہے کہ قرآن میں جو کچھ لکھا ہے وہ کیا ہے۔ چنانچہ جو کچھ قرآن میں لکھا ہے وہ اس کو کسی کمی بیشی کے بغیر پالیتا ہے۔ مگر مسلمانوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ مسلمان زیادہ تر دو جذبے کے تحت قرآن پڑھتے ہیں۔ یا ثواب کے لئے یا فخر کے لئے۔

کچھ لوگ قرآن کو سب سے زیادہ مقدس کتاب سمجھ کر بس اس کی "تلاوت" کر لیتے ہیں تاکہ اس کا ثواب انھیں مل جائے۔ اس کے بعد کچھ لوگ وہ ہیں جو قرآن کو اپنا ایک قومی فخر سمجھتے ہیں اور فخر کی نفسیات لے کر قرآن کو پڑھتے ہیں۔ ایسے لوگ قدرتی طور پر قرآن کو زمانہ کی روشنی میں دیکھنے لگتے ہیں۔ زمانہ میں جن چیزوں کو اہمیت حاصل ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی پر فخر کتاب ضرور اس کا مجموعہ ہوگی۔ اب جس کے ذہن میں سوشلزم سب سے بڑی چیز ہے وہ قرآن میں سوشلزم کو پڑھنے لگتا ہے۔ جس کے ذہن میں سائنس کی اہمیت ہے وہ قرآن کی عظمت کو سائنس کی صورت میں پالیتا ہے۔ اسی طرح جس کے ذہن میں سیاست اور قانون کی اہمیت ہے۔ وہ قرآن میں جو سب سے اہم بات دریافت کرتا ہے وہ سیاست اور قانون ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن آخرت کی کتاب ہے۔ قرآن اس لئے آیا ہے کہ وہ آنے والے دن سے پہلے آنے والے دن کے بارہ میں لوگوں کو خبردار کر دے۔ قرآن مادی صور سے پہلے لفظی صور ہے۔ جو لوگ لفظی صور سے جاگ جائیں وہ کامیاب ہیں۔ جو لوگ مادی صور سے جاگیں گے ان کے لئے ان کا جاگنا کچھ کام نہ آئے گا۔

دعوت الی اللہ

مصطفیٰ محمد عمارۃ کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے : جواہر البخاری وشرح القسطلانی۔ اس کتاب میں امام بخاری اور شیخ قسطلانی کی کتابوں سے ۸۰۰ سے زیادہ حدیثیں منتخب کرکے مختلف عنوانات کے تحت درج کی گئی ہیں۔ ضخیم کتاب میں ہر قسم کے عنوانات ہیں مگر "دعوت الی اللہ" یا اس کے ہم معنی کوئی عنوان موجود نہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ مصنف کو دعوت و تبلیغ سے متعلق احادیث پہنچیں نہیں۔ انہوں نے جن حدیثوں کو پڑھا اور سنا ان میں یقیناً دعوت و تبلیغ والی حدیثیں موجود تھیں۔ مگر ذہن کی مخصوص ساخت کی وجہ سے وہ ان کے ذہن کا جزء نہ بن سکیں۔

خود مصنف کی زیر نظر کتاب سے ثابت ہے کہ ان کو دعوت و تبلیغ کی احادیث پہنچیں تھیں۔ مگر ان کے ذہن سے ان کا دعوتی مفہوم اوجھل رہ گیا۔ چنانچہ انہوں نے ان احادیث کو دعوت و تبلیغ کے خانہ میں درج نہیں کیا بلکہ کسی اور خانہ میں ان کو نقل کر دیا۔

کتاب کے صفحہ ۴۹۶ پر یہ حدیث ملتی ہے :

عن ابی موسی الاشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مثلی ومثل ما بعثنی اللہ بہ کمثل رجل اتی قوماً فقال رأیت الجیش بعینیّ وانی انا النذیر العریان فالنجاءَ النجاءَ فاطاعتہ طائفۃ فادلجوا علی مہلہم فنجوا وکذبتہ طائفۃ فصبحہم الجیش فاجتاحہم۔

ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اور اس چیز کی مثال جس کو لے کر خدا نے مجھے بھیجا ہے اس آدمی کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے دشمن کا لشکر دیکھا ہے اور میں تم کو کھلا ڈرانے والا ہوں۔ پس بچو بچو۔ پھر ایک گروہ نے اس کی بات مانی اور رات کو سویرے چل پڑا اور وہ بچ گیا۔ دوسرے گروہ نے نہ مانا چنانچہ صبح کو دشمن کا لشکر اس پر ٹوٹ پڑا اور اس کو ہلاک کر ڈالا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تو اس کا خاص مقصد یہ تھا کہ آپ لوگوں کے سامنے "نذیر عریاں" بن جائیں اور ان کو قیامت کے

آنے والے ہولناک دن سے آگاہ کردیں۔ جو شخص آپ کی بات مان کر اپنی اصلاح کرلے گا وہ جنت میں جائیگا۔ اور جو شخص آپ کی بات نہیں مانے گا اور اس کے مطابق اپنے کو درست نہیں کرے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

یہ حدیث واضح طور پر دعوت و تبلیغ کے بارہ میں ہے مگر صاحب کتاب نے اس کو جس عنوان کے تحت درج کیا ہے وہ یہ ہے:

باب الخوف من اللہ تعالیٰ والانتہاء عن المعاصی والجنۃ قریبۃ۔

اللہ تعالیٰ کا خوف اور گناہوں سے رکنا اور یہ کہ جنت قریب ہے۔

بعد کے زمانہ میں لکھی جانے والی اکثر کتابوں کا یہی حال ہے۔ ان کتابوں میں آپ طہارت سے لے کر قتال تک کے تمام ابواب پائیں گے۔ مگر دعوت الی اللہ اور تبلیغ ما انزل اللہ کا اس میں کوئی باب نہ ہوگا۔ یہ صرف عام مصنفین کا حال نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے علماء اور مصنفین بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔

یہی سبب ہے کہ بعد کے دور میں مسلمانوں میں ہم ہر طرح کی سرگرمیاں دیکھتے ہیں مگر دعوت الی اللہ اور شہادت حق کی سرگرمی ہمیں ان کے یہاں نظر نہیں آتی۔ اگرچہ اسلام کی اشاعت کا کام کسی بھی دور میں بند نہیں ہوا۔ ہر دور میں خدا کے بندے بے شمار تعداد میں خدا کے دین میں داخل ہوتے رہے اور آج بھی داخل ہو رہے ہیں۔ مگر یہ سب زیادہ تر اسلام کی اپنی قوت سے ہو رہا ہے نہ کہ شعوری طور پر مسلمانوں کی کسی دعوتی جدوجہد سے۔

بعد کی تاریخ میں مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والی یہ سب سے بڑی کمی ہے جس نے مسلمانوں کو غیر مسلمین کے مقابلہ میں خدا کی نصرت سے محروم کر دیا ہے، جب تک اس کمی کو دور نہ کیا جائے مسلمانوں کو کبھی دنیا میں برتری کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔

موجودہ زمانہ میں بظاہر مسلمانوں کے درمیان "دعوت اسلامی" کا کافی چرچا نظر آرہا ہے۔ مگر ان کی کارروائیوں کو دیکھنے اور ان کی کانفرنسوں میں شرکت کے بعد میرا احساس یہ ہے کہ مختلف اسباب سے لوگ دعوت کا نام تو لے رہے ہیں۔ مگر شاید ان پر یہ واضح نہیں کہ دعوت سے حقیقۃً کیا مراد ہے۔ لوگ سیاسی ہنگامے برپا کرتے ہیں اور قومی مسائل پر پرجوش تقریریں کرتے ہیں اور اسی کو دعوت کا عنوان دے رہے ہیں۔ حالانکہ دعوت خدائی پیغام رسانی کا نام ہے نہ کہ قومی اور مادی ہنگامہ آرائی کا۔

موت کا مرحلہ

موت کا لمحہ تمام قابل قیاس اور ناقابل قیاس لمحات سے زیادہ شدید ہے۔ ہر دوسری مصیبت جس کے لئے آدمی پریشان ہوتا ہے۔ اس مصیبت کے مقابلہ میں ہیچ ہے جو موت کی صورت میں اس کے سامنے آنے والی ہے۔

موت زندگی کے سخت ترین مرحلہ کی طرف سفر ہے۔ یہ کامل بے اختیاری، کامل بے سروسامانی اور کامل بے مددگاری کے مرحلہ میں داخل ہونا ہے۔ دنیا کی ہر تکلیف کی ایک حد ہوتی ہے، موت ہم کو ایک ایسی دنیا میں داخل کر دیتی ہے جس کی تکلیفوں اور مصیبتوں کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

موجودہ دنیا میں بھی آدمی باعتبار حقیقت اسی حال میں ہے۔ انسان اپنی ذات کے اعتبار سے اتنا کمزور ہے کہ وہ معمولی ناخوشگواری کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ایک سوئی کا چبھنا، ایک دن کی بھوک پیاس، چند دن کے لئے نیند نہ آنا بھی اس کے پورے وجود کو تڑپا دیتا ہے۔ تاہم موجودہ دنیا میں اس کو اس کی ضرورت کے مطابق تمام چیزیں حاصل ہیں اس لئے وہ اپنی بے چارگی کو بھولا رہتا ہے۔ وہ اپنی حقیقت سے ناآشنا رہتا ہے۔

اگر آدمی سے موجودہ دنیا چھین لی جائے۔ جہاں پانی اور غذا ہے، جہاں ہوا اور روشنی ہے، جہاں فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے تمدن بنانے کے امکانات ہیں۔ اگر موجودہ دنیا آدمی سے چھین لی جائے تو خلا کے کسی دوسرے مقام پر وہ اپنے لئے اس قسم کی ایک اور دنیا کی تخلیق نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد اس کا انجام اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ وہ اندھیرے میں بھٹکتا رہے۔

دنیا میں آدمی پر مصیبت پڑتی ہے تو وہ آہ و واویلا کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ آنے والے دن کو جانے تو وہ کہے گا کہ خدایا جو کچھ بیت رہا ہے اس سے کہیں زیادہ سخت ہے وہ جو بیتنے والا ہے۔ دنیا میں آدمی کو عزت اور آرام حاصل ہو تو وہ فخر اور گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ آنے والے لمحات کو جانے تو وہ کہہ اٹھے گا کہ خدایا اس عزت اور آرام کی کوئی حیثیت نہیں، اگر آنے والے طویل تر مرحلہ میں وہ باقی نہ رہے۔

موت ہماری زندگی کا خاتمہ نہیں، وہ ایک نئے مرحلۂ حیات کا آغاز ہے۔ یہ نیا مرحلہ کسی کے لئے تمام مصیبتوں سے زیادہ بڑی مصیبت کا غار ہوگا اور کسی کے لئے تمام راحتوں سے زیادہ بڑی راحت کا دروازہ۔

جھوٹا دین

بائبل میں یہود کے بگاڑ کے بارہ میں یہ الفاظ آتے ہیں :

" یہ باغی لوگ اور جھوٹے فرزند ہیں۔ جو خدا کی شریعت کو سننے سے انکار کرتے ہیں۔ جو غیب بینوں سے کہتے ہیں کہ غیب بینی نہ کرو۔ اور نبیوں سے کہ ہم پر سچی نبوتیں ظاہر نہ کرو۔ ہم کو خوشگوار باتیں سناؤ۔ اور ہم سے جھوٹی نبوت کرو۔ پس اسرائیل کا قدوس یوں فرماتا ہے کہ چونکہ تم اس کلام کو حقیر جانتے ہو اور ظلم اور کج روی پر بھروسا کرتے ہو اور اسی پر قائم ہو، اس لئے یہ بدکرداری تمہارے لئے ایسی ہوگی جیسے پھٹی ہوئی دیوار جو گرا چاہتی ہے۔ وہ اسے کمہار کے برتن کی طرح توڑ ڈالے گا۔ اسے بے دریغ چکنا چور کرے گا۔ اس کے ٹکڑوں میں ایک ٹھیکرا بھی ایسا نہ ملے گا جس میں چولھے پر سے آگ یا حوض سے پانی لیا جائے۔ (یسعیاہ باب ۳۰)

یہود کا بگاڑ یہ نہیں تھا کہ انہوں نے دین کو چھوڑ دیا تھا۔ ان کا بگاڑ یہ تھا کہ وہ خود ساختہ دین پر تھے اور اس کو خدا کا دین بتاتے تھے۔ خدا کے جو بندے انہیں سچے دین کی طرف بلاتے ان کو وہ حقیر جانتے تھے اور ان کو نظر انداز کرتے تھے۔ اس کے برعکس جو لوگ جھوٹی کرامتوں اور گھڑی ہوئی بشارتوں کے نام پر انھیں بلاتے ان کے گرد وہ جوق در جوق جمع ہو جاتے

یہود کو ایسا دین پسند نہیں آتا تھا جو ان کی زندگیوں میں تبدیلی کا تقاضا کرتا ہو۔ وہ ایسے دین کو پسند کرتے تھے جس میں اپنی زندگی کا ڈھانچہ توڑنا نہ ہو۔ بس کچھ اوپری اور نمائشی کام کرکے جنت کی ضمانت مل جائے۔ مگر اس قسم کا دین اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

خدا کے کلام کو حقیر جاننا اور ظلم اور کج روی پر بھروسہ کرنا جس میں یہود مبتلا تھے وہی آج پوری طرح مسلمانوں کے اندر پایا جاتا ہے۔ دوسروں سے مسلمانوں کے جو مادی جھگڑے ہیں ان میں یہ چیز سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ ان جھگڑوں میں خدا کے بتائے طریقہ پر چلنے کا فائدہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ البتہ ظالمانہ مقابلہ اور جھوٹی سرگرمیوں میں وہ خوب اپنا وقت اور مال خرچ کرتے ہیں۔ اس قسم کی سرگرمیاں خدا کی نظر میں " بدکرداری " ہیں اور ان کا نتیجہ ان کے حق میں بھی وہی نکلے گا جو یہود کے حق میں نکلا۔ یہ کہ ان کا گھر پھٹی ہوئی دیوار کی طرح گر پڑے اور وہ مٹی کے برتن کی طرح توڑ ڈالے جائیں۔

نامعلوم مستقبل

آدمی اس دنیا میں معصوم کلی کی طرح پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین امنگوں اور حوصلوں کے ساتھ اس کو پالتے ہیں۔ وہ بڑا ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ ایک ایسی دنیا میں اپنی زندگی کی جدوجہد شروع کرتا ہے جہاں اس کے لئے تلخ تجربات اور ناخوشگوار یادوں کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں۔

انسان آرزوؤں کے محل بناتا ہے، صرف اس لئے کہ سنگین حقائق اس کی نفی کرکے اس کو ہمیشہ کیلئے مٹا دیں۔ وہ حوصلوں کی دنیا آباد کرتا ہے۔ مگر اس کے حوصلے صرف اس کے دماغ میں رہ جاتے ہیں۔ وہ خارجی دنیا میں واقعہ نہیں بنتے۔ وہ امیدیں قائم کرتا ہے۔ مگر بہت جلد اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی امیدیں فرضی سپنے کے سوا اور کچھ نہ تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی ایک نازک شیشہ ہے جو صرف اس لئے دنیا میں آتی ہے کہ حالات کی چٹان سے ٹکرا کر چور چور ہو جائے۔

آدمی موجودہ دنیا میں اپنی زندگی کا آغاز سنہری آرزوؤں کے ساتھ کرتا ہے۔ مگر بالآخر جو چیز اس کے حصہ میں آتی ہے وہ صرف آرزوؤں کا ایک قبرستان ہے جو اس کے سینے میں دفن ہو کر رہ جاتا ہے کیسی کیسی امیدیں، کیسی کیسی تمنائیں اور کیسے کیسے خواب ہوتے ہیں جن کی وہ اپنی روح کے سب سے نازک گوشہ میں پرورش کرتا ہے۔ مگر سب کا سب ناتمام رہتا ہے۔ وہ حسرتوں کا قبرستان بنا ہوا زندگی کے دن پورے کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آجاتا ہے جب کہ وہ ایک نامعلوم مستقبل کی طرف دھکیل دیا جائے۔

انسان کا ماضی امیدوں اور تمناؤں کا ماضی ہے۔ اس کا حال ناکامیوں اور حسرتوں کا بہت بڑا مزار ہے۔ اور اس کا مستقبل ایک نامعلوم دنیا کی طرف چھلانگ لگانا ہے۔ کیسا عجیب ہے یہ آغاز اور کیسا عجیب ہے اس کا انجام۔

خدا نے ایسا کیوں کیا۔ اس کی کم از کم ایک وجہ یہ ہے کہ آدمی زندگی کے بارہ میں سنجیدہ ہو۔ وہ زندگی میں کھو جانے کے بجائے زندگی کے آغاز و انجام کے بارہ میں سوچے۔ جو شخص سنجیدگی کے ساتھ اس معاملہ میں سوچے گا وہ اس کامل حکمت کو پالے گا جس کی طرف یہ ناقص دنیا ہر آن اشارہ کر رہی ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور موسیٰ نے کہا، اے ہمارے رب، تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں رونق اور مال دیا ہے۔ اے ہمارے رب، اس لئے کہ وہ تیری راہ سے لوگوں کو بھٹکائیں۔ اے ہمارے رب، ان کے مال کو غارت کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔ فرمایا، تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ اب تم دونوں جمے رہو اور ان لوگوں کی راہ کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے ۸۸ — ۸۹

جو لوگ آخرت کی فکر کرتے ہیں وہ عام طور پر دنیوی ساز و سامان جمع کرنے میں ان لوگوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں جو آخرت سے بے فکر ہو کر دنیا حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہوں۔ دنیوی کمی آخرت کی طرف دھیان لگانے کی قیمت ہے، اور دنیوی زیادتی آخرت سے غافل ہونے کی قیمت۔

مزید یہ کہ جس کے پاس دنیا کی رونق اور سامان زیادہ جمع ہو جائیں وہ بڑائی کے احساس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگ اپنے اندر یہ صلاحیت کھو دیتے ہیں کہ کسی دوسرے کی زبان سے جاری ہونے والے حق کو پہچانیں اور اس کے آگے جھک جائیں۔ اپنے وسائل کو اگر وہ خدا کا عطیہ سمجھتے تو اس کو حق کی تائید میں استعمال کرتے، مگر وہ اس کو اپنا ذاتی کمال سمجھتے ہیں اس لئے وہ اس کو صرف اس مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں کہ حق کو دبائیں اور اس طرح ماحول کے اندر اپنی برتری قائم رکھیں۔

"تاکہ وہ تیری راہ سے بھٹکائیں" کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے مال و اسباب کو صرف اس لئے استعمال کیا کہ اس کے ذریعہ سے خدا کے بندوں کو خدا سے دور کریں۔ انہوں نے اس کو حق کی خدمت میں لگانے کے بجائے باطل کی خدمت میں لگایا۔ یہاں شدت بیان کی خاطر کلام کا اسلوب بدل گیا ہے۔

حضرت موسیٰ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کے سامنے سچے دین کی دعوت پیش کی اور اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور خدا کی نصرتوں کے ذریعہ اس کو اتمام حجت کی حد تک واضح کر دیا، اس کے باوجود فرعون اور اس کے ساتھیوں نے آنجناب کے پیغام کو نہیں مانا۔ اس وقت حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ خدایا

ان کے اوپر وہ سزا نازل فرما جو تیرے قانون کے تحت ایسے سرکشوں کے لئے مقدر ہے۔ ایسے موقع پر پیغمبر کی بددعا خود خدا کے فیصلہ کا اعلان ہوتا ہے جو نمائندہ خدا کی زبان سے جاری کیا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ کی دعا قبول ہوگئی۔ تاہم جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے، حضرت موسیٰ کی دعا اور فرعون کی تباہی کے درمیان بہ سال کا فاصلہ ہے۔ (تفسیر النسفی)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد بھی لمبی مدت تک یہ صورت حال باقی رہی کہ حضرت موسیٰ اور آپ کے ساتھی اپنے آپ کو بے بس پاتے تھے، اور دوسری طرف فرعون اور اس کے ساتھیوں کی شان و شوکت بدستور ملک میں قائم تھی۔ ایسی حالت میں آدمی اگر خدا کی اس سنت سے بے خبر ہو کہ وہ سرکشوں کو مہلت دیتا ہے تو وہ جلد بازی میں اصل کام چھوڑ دے گا اور مایوسی اور بددلی کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ ع ۹ ۱۰ ۱۴

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کرا دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا۔ سرکشی اور زیادتی کی غرض سے۔ یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو اس نے کہا کہ میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں مگر وہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ اور میں اس کے فرمانبرداروں میں ہوں۔ کیا اب، اور اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔ پس آج ہم تیرے بدن کو بچائیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشانی بنے اور بیشک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل رہتے ہیں ۹۰-۹۲

مصر میں حضرت موسیٰ کا مشن دو طرفہ تھا۔ ایک، فرعون کو توحید اور آخرت کی طرف بلانا۔ دوسرے، بنی اسرائیل کو مصر سے باہر صحرائی ماحول میں لے جانا اور وہاں ان کی تربیت کرنا۔ جب فرعون پر دعوت حق کی تکمیل ہو چکی تو اللہ کے حکم سے وہ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے۔ صحرائے سینا پہنچنے کے لئے انہیں دریا کو پار کرنا تھا۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی رہنمائی میں دریا کے کنارے پہنچے تو اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ نے پانی پر اپنا عصا مارا۔ پانی بیچ سے پھٹ کر دائیں بائیں کھڑا ہو گیا،

اور درمیان میں خشک راستہ نکل آیا۔ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل اس راستہ سے بآسانی پار ہو گئے۔

فرعون اپنے لشکر کے ساتھ بنی اسرائیل کا پیچھا کرتے ہوئے آگے بڑھا۔ وہ دریا کے کنارے پہنچا تو دیکھا کہ موسیٰ اور بنی اسرائیل پانی کے درمیان ایک خشک راستہ سے گذر رہے ہیں۔ دریا کے وسیع پاٹ نے پھٹ کر حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو راستہ دے دیا تھا۔ یہ واقعہ دراصل خدا کی ایک نشانی تھا۔ فرعون کو اس سے یہ سبق لینا چاہیے تھا کہ موسیٰ حق پر ہیں اور خدا ان کے ساتھ ہے۔ مگر اس نے دریا کے پھٹنے کو خدائی واقعہ سمجھنے کے بجائے عام واقعہ سمجھا۔ اپنے اور موسیٰ کے درمیان فرعون کو صرف دریا نظر آیا، حالانکہ وہاں خود خدا کھڑا ہوا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس واقعہ میں فرعون کے لئے اطاعت اور انابت کا پیغام تھا وہ اس کے لئے صرف سرکشی میں اضافہ کا سبب بن گیا۔ اس نے "دریا" کو دیکھا مگر "خدا" کو نہیں دیکھا۔ اس نے سمجھا کہ جس طرح موسیٰ اور ان کے ساتھیوں نے دریا کو پار کیا ہے اسی طرح وہ بھی دریا کو پار کر سکتا ہے۔

اپنے اس ذہن کے ساتھ فرعون اور اس کا لشکر دریا میں داخل ہو گئے۔ دریا کا پانی جو دو ٹکڑے ہوا تھا وہ موسیٰ اور ان ساتھیوں کے لئے ہوا تھا، وہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کے لئے نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ فرعون اور اس کا لشکر جب بیچ دریا میں پہنچے تو خدا کے حکم سے دونوں طرف کا پانی مل گیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت اس میں غرق ہو گیا۔ غرق ہوتے ہوئے فرعون نے ایمان کا اقرار کیا مگر وہ بے سود تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اختیاری ایمان معتبر ہے نہ کہ وہ ایمان جب کہ آدمی ایمان لانے پر مجبور ہو گیا ہو۔

خدا سے نافرمانی اور سرکشی کا انجام ہلاکت ہے، اس کا نمونہ دور رسالت میں بار بار انسان کے سامنے آتا تھا۔ تاہم اس قسم کے کچھ نمونے خدا نے مستقل طور پر محفوظ کر دیئے ہیں تاکہ وہ بعد کے زمانہ میں بھی انسان کو سبق دیتے رہیں جبکہ نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا ہو۔ انہیں میں سے ایک تاریخی نمونہ فرعون موسیٰ (رعیس ثانی) کا ہے جس کی ممی کی ہوئی لاش ماہرین اثریات کو قدیم مصری شہر تھیبس (Thebes) میں ملی تھی اور اب وہ قاہرہ کے میوزیم میں نمائش کے لئے رکھی ہوئی ہے۔

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ الطَّيِّبَٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِى بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٩٣﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانا دیا اور ان کو ستھری چیزیں کھانے کے لئے دیں۔ پھر انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس وقت جب کہ علم ان کے پاس آچکا تھا۔ یقیناً تیرا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کردے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے ۹۳

بنی اسرائیل قدیم زمانہ میں خدا کے دین کے حامل تھے۔ ان کے ساتھ خدا نے یہ احسان کیا کہ ان کے دشمن (فرعون) سے ان کو نجات دی۔ اس کے بعد وہ ان کو سینا کی کھلی فضا میں لے گیا۔ وہاں ان کے لئے خصوصی انتظام کے تحت پانی اور رزق مہیا کیا۔ صحرائی تربیت کے ذریعہ ان کے اندر ایک نئی طاقتور نسل تیار کی۔ اس نسل نے حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد ایک عظیم ملک فتح کیا اور شام اور اردن اور فلسطین جیسے سرسبز علاقہ میں بنی اسرائیل کی سلطنت قائم کی۔ جو کئی سو سال تک باقی رہی۔

اس احسان کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ بنی اسرائیل خدا کے فرماں بردار اور شکر گزار رہتے اور خدا کے دین کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بناتے۔ مگر واضح رہنمائی کے ہوتے ہوئے وہ راہ سے بے راہ ہو گئے۔

ان کا راہ سے بے راہ ہونا کیا تھا۔ یہ آپس کا اختلاف تھا۔ ان کے پاس خدا کا اتارا ہوا علم موجود تھا جو واحد سچائی تھا۔ مگر انہوں نے اس علم کی تشریح و تاویل میں اختلاف کیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ (تفسیر النسفی) کوئی امت جب تک خدا کے اتارے ہوئے دین (العلم) پر رہتی ہے، اس میں اتفاق و اتحاد رہتا ہے۔ مگر بعد کو ان کے درمیان اس العلم کی تشریح میں اختلافات شروع ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ ایک اختلافی رائے لیکر بیٹھ جاتے ہیں اور کچھ لوگ دوسری اختلافی رائے لیکر۔ ہر ایک اپنے اپنے مسلک کو برحق ثابت کرنے کے لئے بحث مباحثہ اور تقریر اور مناظرہ کا طوفان کھڑا کرتا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ اصل العلم کتابوں میں بند پڑا رہتا ہے اور سارا زور ان کی تاویلات و تشریحات میں صرف ہونے لگتا ہے۔ اس طرح بنیادی دینی تعلیمات (العلم) میں متحد الرائے ہونے کے باوجود لوگ ذیلی تعلیمات میں مشغول ہو کر مختلف الرائے ہو جاتے ہیں۔

"اللہ قیامت کے دن فیصلہ کردے گا" بظاہر متعدی ہے مگر حقیقۃً وہ لازم کا صیغہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت میں جب خدا ظاہر ہوگا تو ہر آدمی اپنے اختلاف کو بھول کر اسی بات کو مان لے گا جو واحد سچائی ہے۔ اگر وہ خدا سے ڈرتے تو آج ہی سب کے سب ایک رائے پر پہنچ جاتے۔ مگر خدا سے بے خوف ہو کر وہ الگ الگ راہوں میں بٹ گئے ہیں بے خوفی سے رایوں کا تعدد پیدا ہوتا ہے اور خوف سے رایوں کا اتحاد۔

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٥﴾

پس اگر تم کو اس چیز کے بارے میں شک ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو تم سے پہلے سے کتاب پڑھ رہے ہیں۔ بیشک یہ تم پر حق آیا ہے تمہارے رب کی طرف سے، پس تم شک کرنے والوں میں سے نہ بنو۔ اور تم ان لوگوں میں شامل نہ ہو جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا ہے، ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگے ۹۵—۹۴

پیغمبر بے آمیز حق کو لیکر اٹھتا ہے، اور بے آمیز حق کی دعوت کو قبول کرنا انسان کے لئے ہمیشہ سخت دشوار کام رہا ہے۔ لوگ عام طور پر ملاوٹی حق کی بنیاد پر کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی دنیا پرستانہ زندگی پر حق کا لیبل لگا لیتے ہیں۔ ایسی حالت میں بے آمیز حق کی دعوت کو ماننا اپنی ذات کی نفی کی قیمت پر ہوتا ہے۔ داعی حق کو ماننے کے لئے اس کے مقابلہ میں اپنے آپ کو چھوٹا کرنا پڑتا ہے، اور اپنے آپ کو چھوٹا کرنا بلاشبہ انسان کے لئے مشکل ترین کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ حق کی دعوت اٹھے اور لوگ جوق در جوق اس کی طرف دوڑنا شروع کر دیں۔ حق کا استقبال اس دنیا میں ہمیشہ اعراض اور مخالفت کی صورت میں کیا گیا ہے۔

داعی جب اپنے ماحول میں حق کی یہ بے وقعتی دیکھتا ہے تو کبھی کبھی اس پر یہ شبہ گزرتا ہے کہ میں غلطی پر تو نہیں ہوں۔ اس آیت میں داعی کو اسی نفسیات سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اس شبہ کے غلط ہونے کا ایک نہایت واضح ثبوت یہ ہے کہ پچھلے پیغمبروں اور داعیوں کو بھی ہمیشہ اسی طرح کی صورت حال سے سابقہ پیش آیا۔ جو لوگ سابق انبیاء کی تاریخ سے واقف ہیں ان کو بخوبی معلوم ہے کہ اس دنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک پیغمبر اٹھے اور فوراً اس کو عوامی مقبولیت حاصل ہو جائے۔ پھر یہی بات اگر بعد کے زمانہ کے داعیوں کے ساتھ پیش آئے تو اس پر حیران و پریشان ہونے کی کیا ضرورت۔

آدمی کی عقل اگر کسی چیز کی سچائی پر گواہی دے اور وہ صرف لوگوں کی بے توجہی یا مخالفت کی وجہ سے اس چیز کو چھوڑ دے تو یہ گویا اللہ کی نشانیوں کو جھٹلانا ہے۔ اللہ نشانیوں (دلائل) کے روپ میں انسان کے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے جس چیز کی صداقت پر دلیل قائم ہو جائے

اس کو ماننا آدمی کے اوپر خدا کا حق ہو جاتا ہے۔ پھر جو شخص خدا کا حق ادا نہ کرے اس کے حصہ میں نقصان اور ہلاکت کے سوا کیا آئے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ ۖ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٩٨﴾

بے شک جن لوگوں پر تیرے رب کی بات پوری ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے، خواہ ان کے پاس ساری نشانیاں آجائیں جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو سامنے آتا نہ دیکھ لیں۔ پس کیوں نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی کہ اس کا ایمان اس کو نفع دیتا، یونس کی قوم کے سوا۔ جب وہ ایمان لائے تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ٹال دیا اور ان کو ایک مدت تک بہرہ مند ہونے کا موقع دیا ۹۶ — ۹۸

انسان کے سامنے جب ایک حق بات آتی ہے تو اس کی عقل گواہی دیتی ہے کہ یہ صحیح ہے۔ مگر کسی حق کو لینے کے لئے آدمی کو کچھ دینا پڑتا ہے اور اسی دینے کے لئے آدمی تیار نہیں ہوتا۔ اس کی خاطر آدمی کو دوسرے کے مقابلہ میں اپنے کو چھوٹا کرنا پڑتا ہے۔ اپنے مفاد کو خطرہ میں ڈالنا ہوتا ہے۔ اپنی رائے اور اپنے وقار کو کھونا پڑتا ہے۔ یہ اندیشے آدمی کے لئے قبول حق میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ جس چیز کا جواب اس کو قبولیت اور اعتراف سے دینا چاہئے تھا اس کا جواب وہ انکار اور مخالفت سے دینے لگتا ہے۔

آدمی کی نفسیات کچھ اس طرح بنی ہیں کہ وہ ایک بار جس رخ پر چل پڑے اسی رخ پر اس کا پورا ذہن چلنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار حق سے انحراف کرنے کے بعد بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ آدمی دوبارہ حق کی طرف لوٹے۔ کیونکہ ہر آنے والے دن وہ اپنے فکر میں پختہ تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس قابل ہی نہیں رہتا کہ حق کی طرف واپس جائے۔

اس طرح کے لوگ اپنے موقف کو بتانے کے لئے ایسے الفاظ بولتے ہیں جس سے ظاہر ہو کہ ان کا کیس نظریاتی کیس ہے۔ مگر حقیقۃً وہ صرف ضد اور تعصب اور ہٹ دھرمی کا کیس ہوتا ہے جو اپنی دنیوی

مصلحتوں کی خاطر اختیار کیا جاتا ہے۔ تاہم عذاب خداوندی کے ظہور کے وقت آدمی کا یہ بھرم کھل جائیگا۔ خوف کی حالت اس کو اس چیز کے آگے جھکنے پر مجبور کر دے گی جس کے آگے وہ بے خوفی کی حالت میں جھکنے پر تیار نہ ہوتا تھا۔

پچھلے زمانہ میں جتنے رسول آئے سب کے ساتھ یہ قصہ پیش آیا کہ ان کی مخاطب قوم آخر وقت تک ایمان نہیں لائی۔ البتہ جب وہ عذاب کی پکڑ میں آگئے تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان قبول کرتے ہیں۔ جب تک خدا انہیں دلیل کی زبان میں پکار رہا تھا۔ انہوں نے نہیں مانا اور جب خدا نے انہیں اپنی طاقتوں کی زد میں لے لیا تو کہنے لگے کہ اب ہم مانتے ہیں۔ مگر ایسا ماننا خدا کے یہاں معتبر نہیں۔ خدا کو وہ ماننا مطلوب ہے جب کہ آدمی دلیل کے زور پر جھک جائے نہ کہ وہ طاقت کے زور پر جھکے۔

حضرت یونس علیہ السلام عراق کے ایک قدیم شہر نینوی میں بھیجے گئے۔ انہوں نے وہاں تبلیغ کی مگر وہ لوگ ایمان نہ لائے۔ آخر حضرت یونس نے پیغمبروں کی سنت کے مطابق ہجرت کی۔ وہ یہ کہہ کر نینوی سے چلے گئے کہ اب تمہارے اوپر خدا کا عذاب آئے گا۔ حضرت یونس کے جانے کے بعد عذاب کی ابتدائی علامتیں ظاہر ہوئیں۔ مگر اس وقت انہوں نے وہ نہ کیا جو قوم ھود نے کیا تھا کہ انہوں نے عذاب کا بادل آتے دیکھ کر کہا کہ یہ ہمارے لئے بارش برسانے آرہا ہے۔ قوم یونس کے اندر فوراً چونک پیدا ہوگئی۔ سارے لوگ اپنے مویشیوں اور عورتوں اور بچوں کو لے کر میدان میں جمع ہوگئے اور خدا کے آگے عاجزی کرنے لگے۔ اس کے بعد عذاب ان سے اٹھا لیا گیا۔ جس طرح ظہور عذاب سے پہلے کا ایمان قابل اعتبار ہے اسی طرح وقوع عذاب کے قریب کا ایمان بھی قابل اعتبار ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ اتنا کامل ہو جتنا کامل قوم یونس کا ایمان تھا۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

اور اگر تیرا رب چاہتا تو زمین پر جتنے لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ پھر کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مومن ہو جائیں۔ اور کسی شخص کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر ایمان لا سکے۔ اور اللہ ان لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے ۱۰۰ — ۹۹

"تیرا رب چاہتا تو سارے لوگ مومن بن جاتے" کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے لئے یہ ممکن تھا کہ انسانی دنیا کا نظام بھی اسی طرح بنائے جس طرح بقیہ دنیا کا نظام ہے۔ جہاں ہر چیز مکمل طور پر خدا کے حکم کی پابند بنی ہوئی ہے۔ مگر انسان کے سلسلہ میں خدا کی یہ اسکیم ہی نہیں۔ انسان کے سلسلہ میں خدا کی اسکیم یہ ہے کہ آزادانہ ماحول میں رکھ کر انسان کو موقع دیا جائے کہ وہ خود اپنے ذاتی فیصلہ سے خدا کا فرماں بردار بنے۔ وہ اپنے اختیار سے وہ کام کرے جو بقیہ دنیا بے اختیاری کے ساتھ کر رہی ہے، جنت کی ابدی نعمتیں اسی اختیارانہ اطاعت کی قیمت ہیں۔

"کوئی شخص خدا کے اذن کے بغیر ایمان نہیں لا سکتا" کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ دنیا میں کسی کو ایمان کی نعمت ملے گی تو اس طریقہ کی پیروی کر کے ملے گی جو خدا نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ موجودہ دنیا میں ایمان کو پانے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی ایمان کی دعوت کو اپنی عقل کے استعمال سے سمجھے۔ جس شخص کی عقل کے اوپر اس کی دنیوی مصلحتیں غالب آجائیں اس کی عقل گویا گندگی کی کیچڑ میں لت پت ہو گئی ہے۔ ایسے شخص کے لئے اس دنیا میں ایمان کی نعمت پانے کا کوئی سوال نہیں۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ع ۱۵

کہو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے دیکھو اور نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچاتے جو ایمان نہیں لاتے۔ وہ تو بس اس طرح کے دن کا انتظار کر رہے ہیں جس طرح کے دن ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو پیش آئے۔ کہو، انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ پھر ہم بچا لیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ان کو جو ایمان لائے۔ اسی طرح ہمارا ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو بچالیں گے۔ ۱۰۳ — ۱۰۱

ہمارے چاروں طرف جو کائنات ہے اس میں بے شمار نشانیاں موجود ہیں جو خدا کے وجود کو ثابت کرتی ہیں۔ اور اسی کے ساتھ یہ بھی بتاتی ہیں کہ اس کائنات کے بارہ میں خدا کا منصوبہ کیا ہے۔ مزید یہ کہ دنیا میں ڈراوے (آندھی اور بھونچال) جیسے واقعات بھی پیش

آتے رہتے ہیں جو انسان کو خدا اور آخرت کے معاملہ میں سنجیدہ بنائیں۔ مگر یہ سب کچھ عالم امتحان میں ہوتا ہے، یعنی ایسی دنیا میں جہاں آدمی کو اختیار ہے کہ مانے یا نہ مانے۔ چنانچہ آدمی یہ کرتا ہے کہ جب نشانیاں اور ڈراوے سامنے آتے ہیں تو وہ ان کی کوئی نہ کوئی خود ساختہ توجیہہ کرکے بات کو دوسرے رخ کی طرف پھیر دیتا ہے اور نصیحت سے محروم رہ جاتا ہے۔

جب آدمی دلیل کی زبان میں بات کو نہ مانے تو گویا وہ صرف اس دن کا انتظار کر رہا ہے جب کہ امتحان کا پردہ ہٹا دیا جائے اور خدا اپنا آخری فیصلہ سنانے کے لئے سامنے آجائے۔ مگر وہ دن جب آئے گا تو وہ آج کے دن سے بالکل مختلف ہوگا۔ آج تو ماننے والے اور نہ ماننے والے دونوں بظاہر یکساں حالت میں نظر آتے ہیں۔ مگر جب فیصلہ کا دن آئے گا تو اس کے بعد وہی لوگ امن میں رہیں گے جو حق پرست ثابت ہوئے تھے۔ بقیہ تمام لوگ اس طرح عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے کہ اس کے بعد ان کے لئے کوئی راہ نہ ہوگی جس سے بھاگ کر وہ نجات حاصل کریں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۚ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

کہو، اے لوگو اگر تم میرے دین کے متعلق شک میں ہو تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو اللہ کے سوا۔ بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تم کو وفات دیتا ہے اور مجھ کو حکم ملا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے بنوں۔ اور یہ کہ اپنا رخ یکسو ہو کر دین کی طرف کروں۔ اور مشرکوں میں سے نہ بنوں۔ اور اللہ کے علاوہ ان کو نہ پکارو جو تم کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ پھر اگر تم ایسا کرو گے تو یقیناً تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ اور اگر اللہ تم کو کسی تکلیف میں پکڑ لے تو

اس کے سوا کوئی نہیں جو اس کو دور کر سکے۔ اور اگر وہ تم کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔ وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے ۱۰۷-۱۰۴

داعی اولاً دلیل کی زبان میں اپنی بات کہتا ہے۔ مگر جب لوگ دلیل سننے کے باوجود شک وشبہہ میں پڑے رہتے ہیں تو اس کے پاس آخری چیز یہ رہ جاتی ہے کہ عزم کی زبان میں اپنے پیغام کی صداقت کا اظہار کر دے۔

توحید کے داعی کا شرک کے پرستاروں سے یہ کہنا کہ "میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی عبادت تم لوگ کرتے ہو" محض ایک دعویٰ نہیں بلکہ وہ اپنی ذات میں ایک دلیل بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ــــ میں بھی تمہارے جیسا ایک انسان ہوں۔ میرے پاس بھی وہی عقل ہے جو تمہارے پاس ہے۔ پھر جس بات کی صداقت میری سمجھ میں آرہی ہے اس کی صداقت تمہاری سمجھ میں آخر کیوں نہیں آتی۔

سچائی اگر ایک انسان کی سطح پر قابل فہم ہو جائے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے لئے بھی قابل فہم تھی۔ اس کے باوجود اگر دوسرے لوگ انکار کریں تو یقیناً اس کی وجہ خود ان کا اپنا کوئی نقص ہوگا نہ کہ دعوت حق کا نقص۔ جس چیز کو ایک آنکھ والا دیکھ رہا ہو اور دوسرا آنکھ والا شخص اسے نہ دیکھے تو وہ صرف اس بات کا ثبوت ہے کہ آنکھ والا حقیقۃً آنکھ والا نہیں۔ کیونکہ اس دنیا میں یہ ممکن نہیں کہ جس چیز کو ایک آنکھ والا دیکھ لے اس کو دوسرا شخص آنکھ رکھتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔

موت اس بات کا اعلان ہے کہ آدمی اس دنیا میں کامل طور پر بے اختیار ہے۔ موت ان تمام چیزوں کو باطل ثابت کر دیتی ہے جن کے سہارے آدمی انکار اور سرکشی کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ موت ایک طرف آدمی کو اپنے عجز اور دوسری طرف خدا کی قدرت کا تعارف کراتی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس دنیا میں کوئی نہیں جس کو نفع دینے یا نقصان پہنچانے کا اختیار حاصل ہو۔ اس طرح موت آدمی کو ہر دوسری چیز سے کاٹ کر خدا کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ مکمل طور پر انسان کو خدا کا پرستار بناتی ہے۔ اگر آدمی کے اندر سبق لینے کا ذہن ہو تو صرف موت کا واقعہ اس کی اصلاح کے لئے کافی ہو جائے۔

ہر انسان پر ایک وقت آتا ہے جب کہ وہ بے بسی کے ساتھ اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دیتا ہے۔ اسی طرح کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ فائدہ اور نقصان کے معاملہ میں وہی ہونے دے جو وہ چاہتا ہے۔ وہ مطلوب فائدہ کو ہر حال میں پالے اور غیر مطلوب نقصان سے ہر حال میں محفوظ رہے۔

یہ صورت حال بتاتی ہے کہ انسان ایک بے اختیار مخلوق ہے۔ وہ ایک ایسی دنیا میں ہے جہاں کوئی اور بھی ہے جو اس کے اوپر حکمرانی کر رہا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ع ۱۱ ۱۲

کہو، اے لوگو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آگیا ہے۔ جو ہدایت قبول کریگا وہ اپنے ہی لئے کرے گا اور جو بھٹکے گا تو اس کا وبال اسی پر آئے گا، اور میں تمہارے اوپر ذمہ دار نہیں ہوں۔ اور تم اس کی پیروی کرو جو تم پر وحی کی جاتی ہے اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ۱۰۹-۱۰۸

دعوت کا کام اصلاً اعلان حق کا کام ہے۔ کسی گروہ کے اوپر اس وقت پیغام رسانی کا حق ادا ہو جاتا ہے جب کہ داعی امر حق کو دلیل کے ذریعہ پوری طرح واضح کر دے اور اسی کے ساتھ اس بات کا ثبوت دیدے کہ وہ اس معاملہ میں پوری طرح سنجیدہ ہے۔

داعی اگر وقت کے معیار کے مطابق امر حق کو مدلل کر دے۔ وہ نفع نقصان سے بے نیاز ہو کر حق کی مکمل گواہی دیدے۔ وہ ہر تکلیف اور ناخوش گواری کو برداشت کرتا ہوا اپنے دعوتی کام کو جاری رکھے تو اس کے بعد مخاطب کے اوپر وہ اتمام حجت ہو جاتا ہے جس کے بعد خدا کے یہاں کسی کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔

داعی کا کام اصلاً اتباع وحی ہے۔ یعنی اپنی ذات کی حد تک عملاً مرضیٔ رب پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کو مرضیٔ رب کی طرف پکارتے رہنا۔ اس کام کو ہر حال میں حکمت اور صبر اور خیر خواہی کے ساتھ مسلسل جاری رکھنا ہے۔ اس کے بعد جتنے بقیہ مراحل ہیں وہ سب براہ راست طور پر خدا سے متعلق ہیں۔ داعی کی طرف سے کوئی دوسرا عملی اقدام صرف اس وقت درست ہے جب کہ خود خدا کی طرف سے اس کا فیصلہ کیا جا چکا ہو۔ اور اس کے آثار ظاہر ہو جائیں۔

خدا کا فیصلہ ہمیشہ حالات کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ جب خدا کے علم میں داعی کا دعوتی کام مطلوب حد کو پہنچ چکا ہوتا ہے تو خدا حالات میں ایسی تبدیلیاں پیدا کرتا ہے جس کو استعمال کر کے داعی اپنے عمل کے اگلے مرحلہ میں داخل ہو جائے۔

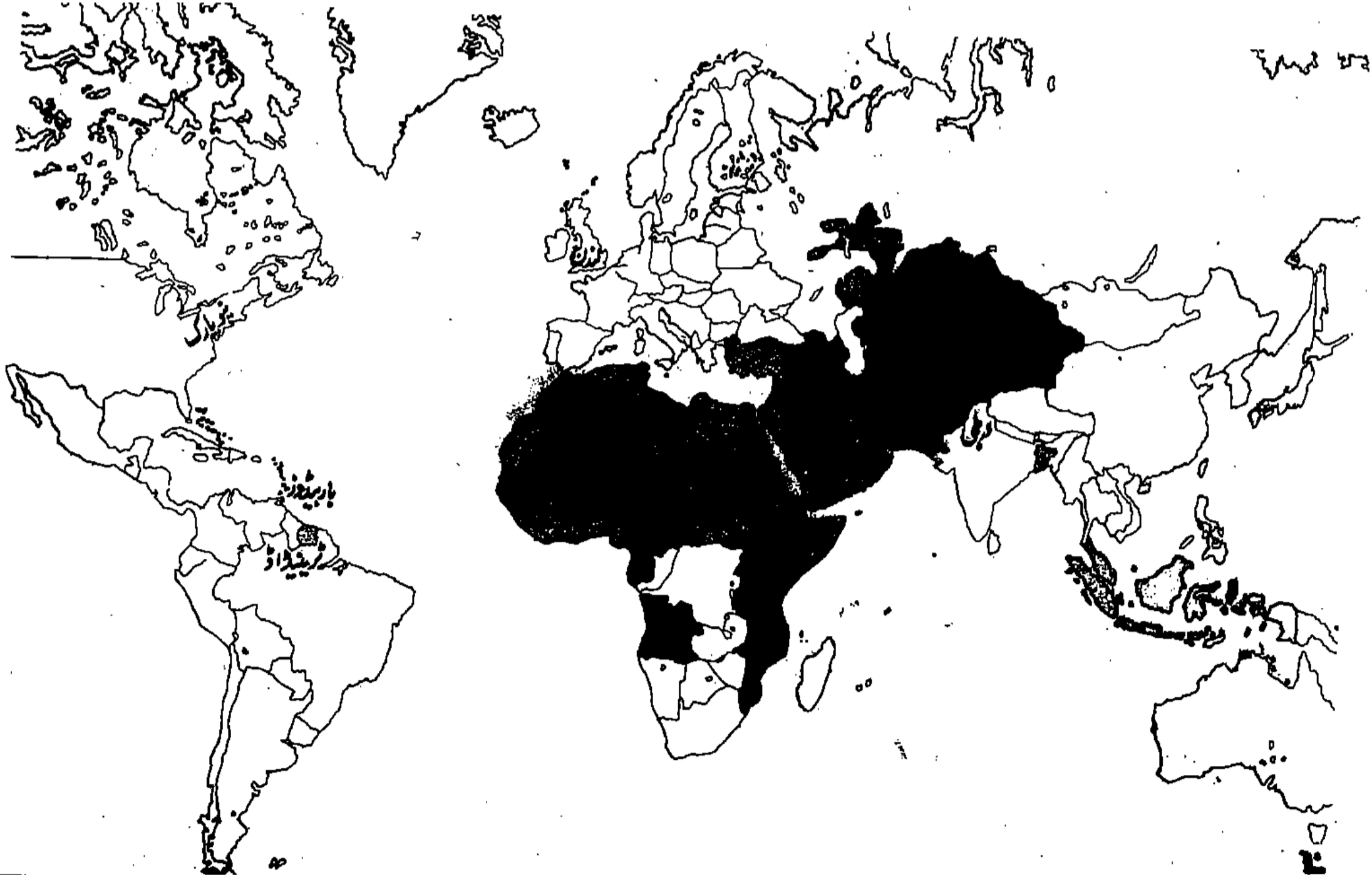
باربیدوز
ترینیداد

ایک سفر

براعظم امریکہ دو بڑے خشکی کے ٹکڑوں پر مشتمل ہے۔ ایک کو شمالی امریکہ اور دوسرے کو جنوبی امریکہ کہتے ہیں۔ ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان بحیرۂ کریبین (Caribbean Sea) ہے جس میں تقریباً ۲۰ چھوٹے چھوٹے جزیرے واقع ہیں۔ انھیں میں سے ایک جزیرہ وہ ہے جس کا نام باربیڈوز (Barbados) ہے۔

اس علاقہ میں پہلی کریبین اسلامک کانفرنس ۲۴-۲۸ اپریل ۱۹۸۱ کو پورٹ اسپین میں ہوئی تھی۔ دوسری کریبین اسلامک کانفرنس باربیڈوز میں ہوئی۔ مجھے اس کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ ملا تھا۔ اس سلسلے میں باربیڈوز کا سفر پیش آیا۔ یہ کانفرنس ۳۱ مارچ سے لیکر ۴ اپریل ۱۹۸۳ تک جاری رہی۔

۲۳ مارچ کی صبح کو پالم ایرپورٹ سے برٹش ایرویز کی فلائٹ نمبر ۱۴۶ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ ہوائی جہاز کا سفر، کم از کم میرے لئے، جلد منزل پر پہنچنے کی خاطر ایک ناخوشگوار چیز کو برداشت کرنا ہے۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ ایک براعظم سے دوسرے براعظم جیسا طویل سفر میں پیدل طے کرسکوں تو یقیناً میں پیدل سفر کو ترجیح دیتا۔ کیونکہ پیدل چلنے والا خدا کی کھلی ہوئی دنیا میں چلتا ہے۔ اور ہوائی جہاز کا مسافر انسان کی بنائی ہوئی اڑن جیل میں۔

ہوائی جہاز کے اندر برٹش ایرویز کا میگزین ہائی لائف (High Life) شمارہ مارچ ۱۹۸۳ تھا۔ اس میں لارڈ نارویچ (Lord Norwich) کے قلم سے ایک مضمون تھا جس کا عنوان تھا:

Where Cross and Cresent Meet

اس مضمون میں صلاح الدین ایوبی کی ایک دلچسپ کہانی درج تھی۔ عمان اور عقبہ کے درمیان گزرنے والی سڑک پر قدیم شہر موآب ہے۔ اس میں کراک کا قلعہ واقع ہے۔ یہ ایک پہاڑ کے اوپر ہے جہاں سے بحر مردار دکھائی دیتا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی ۱۱۸۳ء میں یہاں داخل ہوا اس کو معلوم ہوا کہ یہ عین وہی دن ہے جب کہ یروشلم کی شہزادی ازبیلا کی شادی تورون کے شہزادہ ہمفری سے ہوئی ہے۔ دلہن کی ماں نے شادی کے

ناشتہ کا کچھ سامان صلاح الدین ایوبی کے پاس بھجوایا۔ صلاح الدین ایوبی نے پوچھا کہ قلعہ کے کس ٹاور میں نوجوان میاں بیوی رات گذاریں گے۔ جب اس کو بتایا گیا تو اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیدیا کہ اس ٹاور پر گولے نہ پھینکے جائیں۔ اس قصہ کو بیان کرنے کے بعد مضمون نگار نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ کاش یہ مثال بار بار دہرائی جاتی:

One wishes that the example could have been more frequently followed

ہائی لائف میگزین میں اشتہار کی اپیل کرتے ہوئے ایک دلچسپ مکالمہ درج ہے۔

I hear that High Life has an audience of over
1.25 million air travellers a month.
Yes, and 64% are bussiness people. In fact, High Life has more business readers than most business oriented publications.

یہ مکالمہ ظاہری طور پر درست ہے۔ مگر اس کو سمجھنے کے لئے اس میں اتنا اور اضافہ کرنا ہوگا کہ ہائی لائف کی قسم کے "ان فلائٹ میگزین" اتنے کم دلچسپ ہوتے ہیں کہ بہت تھوڑے ہوائی مسافر ان کو باقاعدہ پڑھنے کی زحمت گوارہ کرتے ہیں۔ "شماریات" کی زبان بظاہر بڑی قطعی معلوم ہوتی ہے۔ مگر اکثر اوقات حقیقت اس سے زیادہ وسیع ثابت ہوتی ہے کہ وہ شماریات کی حد بندی میں سما سکے۔

گیارہ بجے ہم دبئی پہنچے۔ ہوائی جہاز کو یہاں ایک گھنٹہ ٹھہرنا تھا۔ دبئی کا ہوائی اڈہ ان ہوائی اڈوں میں سے ہے جہاں آگے جانے والے مسافروں کو وقتی طور پر اترنے کی اجازت ہے۔ آپ "ٹرانزٹ پاس" لے کر ایک گھنٹہ کے لئے یہاں اتر سکتے ہیں۔ ہوائی جہاز سے نکل کر ایک عرب ملک کی زمین پر قدم رکھنا بظاہر "برٹش دنیا" سے نکل کر "مسلم دنیا" میں قدم رکھنا تھا۔ مگر مغربی تہذیب کے غلبہ نے موجودہ زمانہ میں اس فرق کو بہت کم باقی رکھا ہے۔ مسافر جب ہوائی جہاز سے نکل کر باہر آتا ہے تو وہ ایک دنیا اور دوسری دنیا میں بظاہر بس اتنا فرق پاتا ہے کہ جہاز کے اندر تختیوں پر انگریزی الفاظ اوپر لکھے ہوئے تھے اور عربی الفاظ نیچے۔ اس کے برعکس باہر کی دنیا میں تمام تختیوں پر عربی الفاظ اوپر لکھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور انگریزی الفاظ نیچے۔ تاہم چھ گھنٹہ کی اڑان کے بعد جہاز کویت کی فضا میں پہنچا تو یہاں دوسرے اعلانات کے ساتھ عملہ کی طرف سے یہ اسلامی اعلان بھی کیا گیا کہ "جو مسافر یہاں اتر رہے ہیں ان کی اطلاع کے لئے بتایا جاتا ہے کہ کویت کے اندر

شراب لے جانا بالکل منع ہے۔"

۲۳ مارچ کو جب کہ ہمارا جہاز ایک گھنٹہ کے لئے کویت کے ہوائی اڈہ پر کھڑا تھا، اس وقت ہمارے دو ساتھی کویت کے دورہ پر تھے۔ دہلی سے ٹیلی فون کی گفتگو میں ان کو میرا پروگرام بتایا جا چکا تھا۔ اگر ٹرین کی طرح ہوائی جہازوں پر بھی آکر ملنے کی اجازت ہوتی تو وہ ضرور اندر آکر مجھ سے ملاقات کرتے۔ مگر ہوائی جہاز کے مخصوص قوانین کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ "ٹرین" بھی سواری ہے اور "ہوائی جہاز" بھی سواری۔ اس لفظی اشتراک کی بنا پر اگر کوئی شخص "پلیٹ فارم" ٹکٹ لینے کے لئے ہوائی اڈہ پہنچ جائے تو اس کے حصہ میں ناکام واپسی کے سوا اور کچھ نہیں آئے گا۔

دہلی سے دبئی اور کویت تک کافی ہندستانی مسافر جہاز میں تھے۔ وہ زور زور سے باتیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے جہاز کے اندر سکون کی فضا برہم ہو رہی تھی۔ مجھے ۳ اگست ۱۹۸۲ کا دن یاد آیا جب کہ میں مالٹا سے فرانس کی طرف سفر کر رہا تھا۔ ہوائی جہاز میں مجھ سے ملی ہوئی دو سیٹوں پر دو فرانسیسی بچے تھے۔ دونوں بھائی بہن تھے اور برابر آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ مگر وہ دونوں اتنے آہستہ بولتے تھے کہ میں بالکل ان کی بغل میں ہونے کے باوجود ان کی گفتگو کا ایک لفظ بھی سمجھ نہ سکا۔ کتنا فرق ہے ایک انسان اور دوسرے انسان میں۔ میں نے ان سے بعض سوالات کئے تو انہوں نے اتنے مہذب انداز میں ان کے جوابات دئے کہ ہندستان میں بہت کم اس کی امید کی جا سکتی ہے۔

۲۳ مارچ کو میں لندن پہنچا۔ وہاں چند روز قیام کے بعد ۲۹ مارچ ۱۹۸۳ کو آگے کے لئے روانگی ہوئی۔ برٹش ایرویز کی فلائٹ نمبر ۲۵۷ ہم کو لے کر اٹلانٹک کے اوپر اڑ رہی تھی۔ آٹھ گھنٹہ مسلسل سمندر کے اوپر اڑنے کے بعد جہاز اینٹی گا (Antigua) اترا۔ یہ بہت چھوٹا جزیرہ ہے۔ جزیرہ میں ہر طرف ہریالی نظر آئی۔ صنعتی کثافت سے دور ہونے کی وجہ سے یہاں بڑے شہروں کے وہ لوگ کثرت سے آتے ہیں جو اپنے شہر کی انسان کش خصوصیات سے گھبرا اٹھتے ہیں اور چھٹیاں گزارنے کے لئے قدرت کا سادہ ماحول چاہتے ہیں۔ جہاز سے بہت سے مسافر یہاں اترے اور دوبارہ بہت سے سوار ہوئے۔ یہ سب سیاح تھے ـــــ اس دنیا میں اگر ترقی یافتہ ہونے کی قیمت ہے تو ان لوگوں کی بھی قیمت ہے جو ترقی کی دوڑ میں ابھی پیچھے ہوں۔

اینٹی گا سے تقریباً ایک گھنٹہ کی پرواز کے بعد ۲۹ مارچ کی شام کو ہم باربیڈوز پہنچے

جو اس سفر میں ہماری اصل منزل تھی۔ لندن سے احمد ڈرامی کا ساتھ ہو گیا تھا۔ وہ گامبیا (افریقہ) کے رہنے والے ہیں۔ ہوائی اڈہ پر احمد ڈرامی عام مسافروں کے ساتھ باہر نکل آئے۔ ایمگریشن کی کھڑکی پر انہیں فوراً دس دن کا ویزا دیدیا گیا۔ مگر مجھے روک لیا گیا۔ دیر تک میرے کاغذات کی جانچ ہوتی رہی۔ اس کے بعد میرا پاسپورٹ مجھے واپس دیا گیا تو اس پر صرف ایک دن کی اجازت مندرجہ ذیل الفاظ میں لکھی ہوئی تھی :

Permitted to enter & remain in the Island for one day

میرے مقامی ساتھیوں نے اس کے بعد ویزا میں دو ہفتہ کی توسیع کرالی۔ تاہم مجھے یہ کھوج تھی کہ میرے ساتھ امتیازی سلوک کیوں کیا گیا۔

اس فرق کا راز مجھے اس وقت معلوم ہوا جب کہ میں باربیڈوز شہر (برج ٹاؤن) پہنچا۔ یہاں لوگوں نے بتایا کہ باربیڈوز چونکہ سیاحوں کا جزیرہ ہے، یہاں آنے والوں کے لئے داخلہ کے قوانین بہت نرم ہیں۔ پہلے یہ اجازت عام تھی۔ اب اس میں ہندستان اور پاکستان کا استثنار ہو گیا ہے۔ ہندستان اور پاکستان کے لوگوں نے ضابطہ کی خلاف ورزی کی انہوں نے اپنے لوگوں کو یہاں بلایا اور غلط معلومات پیش کرکے ان کو باربیڈوز کا شہری بنا لیا۔ حکومت کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے یہ قانون بنا دیا کہ ہندستان اور پاکستان سے آنے والے لوگوں کے کاغذات کی سخت جانچ کی جائے اور ان کو پیشگی ویزا کے بغیر باربیڈوز آنے سے روکا جائے ـــــ اپنے بھائیوں کے کردار کی یہ قیمت تھی جو مجھ کو باربیڈوز ہوائی اڈہ پر ادا کرنی پڑی۔

یورپ اور امریکہ کے سیاح جو یہاں آتے ہیں وہ تفریح کی غرض سے آتے ہیں۔ وہ یہاں خرچ کرتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ہندستان کے لوگ یہاں کمانے کے لئے آتے ہیں۔ ایک دینے کے لئے آتا ہے اور دوسرا لینے کے لئے۔ اور دینے والا ہمیشہ مطلوب ہوتا ہے اور لینے والا ہمیشہ غیر مطلوب۔

باربیڈوز میں ہندستان سے آئے ہوئے کافی لوگ ہیں۔ یہ برطانی شہنشاہیت کے زمانہ میں یہاں لائے گئے۔ برطانیہ نے اپنے عروج کے زمانہ میں دنیا کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان میں بے شمار چھوٹے چھوٹے جزیرے بھی شامل تھے۔ انہیں میں کریبین سمندر کے کئی جزائر بھی شامل ہیں جن میں سے ایک باربیڈوز ہے۔ سو سال پہلے یہ

جزیرے زیادہ تر غیر آباد تھے۔ مگر ان پر قدرتی وسائل کافی مقدار میں موجود تھے۔ برطانیہ نے انیسویں صدی کے آخر میں ان جزائر کے وسائل کو استعمال کرنے کے لئے باہر سے مزدور بھرتی کئے اور ان کو پانی کے جہازوں کے ذریعہ لاکر یہاں بسایا۔ باربیڈوز میں زیادہ تر گنے کی کاشت کے لئے یہ مزدور لائے گئے۔ کسی جزیرہ میں قیمتی لکڑی تھی اور وہ برطانیہ کو اپنے فرنیچر اور اپنے مکانوں کی تعمیر کے لئے مطلوب تھی۔ وغیرہ۔ ان مقاصد کے تحت ابتداءً ان جزائر میں مزدور قسم کے لوگ لائے گئے۔ تاہم اب ترقی کرتے کرتے ان جزائر کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ یہاں ہندستان کے مقابلہ میں کمائی زیادہ کی جاسکتی ہے اور پرامن طور پر رہا جاسکتا ہے۔

سابق مسلمانوں کے لڑکے اور پوتے اب تعلیم یافتہ ہوکر ایک ترقی یافتہ ملک کے شہری بن گئے ہیں۔ باربیڈوز میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً پانچ سو ہے۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ ہندو صاحبان کی بڑی بڑی دکانیں اور اسٹور ہیں۔ مسلمانوں کی زیادہ تعداد پھیری کرکے مال فروخت کرتی ہے۔ ان کی یہ پھیری کاروں پر ہوتی ہے۔

مقامی باشندے ان مسلمانوں کو قلی مان (قلی مین) کہتے ہیں ——— ہندستان میں مسلمانوں کو ہندؤں سے شکایت ہے۔ مگر باربیڈوز میں وہ اپنے سوا کس کو پائیں گے جس کی شکایت کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ اور تابعین اس طرح دنیا میں پھیلے کہ وہ ہر ملک میں اور ہر مقام پر نظر آنے لگے۔ آج بھی یہ حال ہے کہ آپ جس ملک میں جائیں اور جس علاقہ کو دیکھیں وہاں آپ مسلمانوں کو پائیں گے۔ تاہم ظاہری یکسانی کے باوجود دونوں واقعات میں زبردست فرق ہے۔ صحابہ اور تابعین کو دعوت کے محرک نے پھیلایا تھا، اور موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو معاش کے محرک نے۔ صحابہ اور تابعین اس تڑپ کے تحت سارے عالم میں پھیل گئے کہ وہ دوسری قوموں کو حق کا پیغام پہنچائیں اور موجودہ مسلمان صرف اس لئے پھیلے ہیں کہ وہ دوسروں کے مادی دسترخوان میں سے اپنے لئے کچھ حصہ لے سکیں۔ ہمارے اسلاف دینے کے لئے گئے تھے اور ہم لینے کے لئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ ہر جگہ مقامی آبادی کا مطلوب اور محبوب بنے اور ہم ہر جگہ صرف مبغوض بن رہے ہیں۔

باربیڈوز میں (اور اس طرح کے دوسرے مقامات پر) جو مسلمان ابتدائً آئے تھے، ان کی اکثریت قدیم اسلامی (بالفاظ دیگر مشرقی) انداز زندگی پر قائم ہے۔ مگر ان کی نئی نسل کا رنگ بالکل دوسرا ہے۔ یہ لوگ مغرب کے آزاد ماحول سے شدت کے ساتھ متاثر ہو رہے ہیں۔ وہ اپنی مادری زبان کم اور انگریزی زبان زیادہ سمجھتے ہیں۔ مغربی کلچر اور مغربی فکر ان کے اندر تیزی سے سرایت کر رہا ہے۔ ان کے بڑے ان سے کسی بات کے لئے کہتے ہیں تو وہ نہایت آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ میرے لئے نہیں (Not me) یا یہ میرا کام نہیں ہے:

It's not my business

نقشہ سامنے رکھئے۔ ایک طرف یورپ اور افریقہ ہے اور دوسری طرف امریکی براعظم کے دونوں حصے۔ درمیان میں اٹلانٹک سمندر ہے۔ اگر اٹلانٹک کی دونوں خشکی کو قریب لایا جائے تو دونوں اس طرح ایک دوسرے سے مل جائیں گے جیسے کہ وہ ایک ہی ٹکڑا تھا جس کو توڑ کر الگ الگ کر دیا گیا۔ جدید جغرافی تحقیق کے مطابق یہ محض قیاس نہیں۔ بلکہ واقعہ ہے۔ ماضی میں فی الواقع یہ دونوں خشکی کے ٹکڑے آپس میں ملے ہوئے تھے، پھر وہ ٹوٹ کر جدا ہو گئے۔ اس نظریہ کو جغرافی اصطلاح میں انتشار براعظم (Drifting Continent) کہا جاتا ہے۔ باربیڈوز اسی علاقہ میں بحر اٹلانٹک کے انتہائی مغربی کنارے پر واقع ہے۔

ہوائی جہاز کی انفلائٹ میگزین میں بحر اٹلانٹک اور اس کے دونوں طرف خشکی کا نقشہ دکھایا گیا تھا۔ اور اس کے نیچے لکھا ہوا تھا ـــــ ہم آپ کو اٹلانٹک کے اس پار ایک عظیم ہوٹل میں اتار سکتے ہیں:

We can land you in a great hotel across the Atlantic

۲۹ مارچ ۱۹۸۳ کو میرے ساتھ گویا اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا۔ میں ہندستان سے چل کر باربیڈوز کے ہوٹل سام لارڈ کیسل (Sam Lord's Castle) میں پہنچا تو نہ صرف بحر اٹلانٹک بلکہ خشکی کا بھی بڑا حصہ طے کر چکا تھا۔ چنانچہ ہندستان میں میں مغرب کی سمت نماز ادا کرتا تھا۔ مگر باربیڈوز میں مجھے مشرق کی جانب نماز ادا کرنی پڑی۔

براعظم امریکہ کے دونوں خشکی کے ٹکڑوں کے درمیان میں تقریباً بیس جزیرے ہلال کی صورت میں ہیں جن کو "سمندر کا ہار" کہا جاتا ہے۔ انہیں میں سے ایک جزیرہ

باربیڈوز (Barbados) ہے۔ اس جزیرہ کا دارالسلطنت برج ٹاؤن (Bridgetown) ہے۔ اسی مقام پر دوسری کریبین اسلامک کانفرنس ہوئی جو ۳۱ مارچ سے لیکر ۴ اپریل ۱۹۸۳ تک جاری رہی۔

باربیڈوز کا نام اس جزیرہ کو پرتگیزیوں نے دیا۔ پرتگیزی سب سے پہلے ۱۵۲۶ء میں اس جزیرہ سے گزرے۔ اس وقت یہ جزیرہ بالکل غیر آباد تھا۔ یہاں کے ساحلوں پر اس وقت خاص طرح کے درختوں کی کثرت تھی جن میں ریشے لٹکتے ہیں۔ اس کو دیکھ کر پرتگیزیوں نے کہا (Los Barbados) یہ اسپینی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی ہوتے ہیں۔ "داڑھی والا" یہ کہہ کر پرتگیزی آگے بڑھ گئے۔ اس کے بعد ۱۶۴۵ء میں انگریز یہاں آئے تو انہوں نے اسی نام کے ساتھ اس کو آباد کیا۔

باربیڈوز کے خوبصورت ہوٹلوں میں سب سے زیادہ عام منظر یورپ اور امریکہ کے سفید فام سیاح ہیں جو نیم برہنہ لیٹے، بیٹھے یا گھومتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان مردوں اور عورتوں کا کام صرف دو ہے ـــــ شراب پینا اور باہم عیش کرنا۔ ان میں سے کچھ افراد سے ہماری باتیں ہوئیں۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ کیا واقعی انہیں زندگی کی لذت حاصل ہے۔ ان کی گفتگو اور ان کے مشاہدے سے میں نے یہی سمجھا کہ وہ صرف لذت کی تلاش میں ہیں۔ عملاً انہیں ان کی مطلوبہ لذت حاصل نہیں۔

مغرب کے لوگ شادی کرتے ہیں۔ جب اس سے انہیں مطلوبہ لذت نہیں ملتی تو طلاق دے کر دوسری شادی کر لیتے ہیں۔ اس سے بھی مقصد حاصل نہیں ہوتا تو آزاد معاشرہ (Permissive Society) کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اس سے بھی تسکین نہیں ہوتی تو ننگے پن کی طرف دوڑتے ہیں۔ وہ انہیں چیزوں میں اپنا وقت ضائع کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ مایوسی کے عالم میں مرجاتے ہیں۔ ان کا یہ ناکام خاتمہ صرف اس نادانی کی قیمت ہے کہ انہوں نے موجودہ زندگی میں وہ چیز حاصل کرنی چاہی جو موجودہ دنیا میں ملنے والی نہیں۔

باربیڈوز کی قدرتی خوبصورتی کی وجہ سے اس کو مختلف نام دیئے گئے ہیں۔ مثلاً:

Tropical Paradise—Happiness Island—Jewel of the Caribbean

جزیرہ باربیڈوز اٹلانٹک کے ہار کا ایک موتی کہا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی صرف ۲۱ میل

اور چوڑائی ۱۴ میل ہے ۔ مجموعی رقبہ ۱۶۶ میل ہے ۔ اس کی صورت تقریباً سری لنکا جیسی ہے ۔ یہاں آپ انٹرنیشنل ڈرائیور لائسنس پر گاڑی چلا سکتے ہیں ۔ ایسے آدمی کو صرف یہ کرنا ہے کہ جب وہ ہوائی اڈہ پر اترے تو وہاں پندرہ ڈالر (بار بیڈین) دے کر اپنا نام رجسٹر کرالے ۔

بار بیڈوز میں قتل اور اس طرح کے دوسرے جرائم نہیں ہوتے ۔ اس لئے یہاں وردی پوش پولس بھی کہیں نظر نہیں آتی ۔ یہاں کی کل آبادی ۲۵۰۰۰۰ ہے ۔ بار بیڈوز کے لوگوں کا نظریہ بس کھانا کمانا اور خوش رہنا ہے ۔ یہاں ہر قسم کے کھیلوں کا انتظام ہے ۔ سب سے پہلے سولہویں صدی میں جنوبی امریکہ کے لوگ یہاں آکر آباد ہوئے ۔ اس کے بعد یہ جزیرہ برطانیہ کے قبضہ میں چلا گیا ۔ ۱۹۶۶ میں بار بیڈوز نے برطانیہ سے سیاسی آزادی حاصل کی ۔ اب وہ کامن ویلتھ کا ممبر ہے ۔

بار بیڈوز لندن سے ۴۷۵۰ میل دور واقع ہے ۔ مگر وہ برطانی کلچر سے اتنا زیادہ متاثر ہے کہ اس کو چھوٹا انگلینڈ (Little England) کہا جاتا ہے ۔ آب و ہوا بہت اچھی ہے ۔ آبادی تقریباً سب کی سب عیسائی ہے ۔ خاص پیداوار شکر ہے ۔ اس کے بعد آمدنی کے ذرائع مچھلی اور سیاحت اور جہاز رانی ہیں ۔ رسمی طور پر یہاں کی حکمراں ملکہ برطانیہ ہے ۔ انگریزی زبان بار بیڈوز کی سرکاری زبان ہے ۔

بار بیڈوز سیاحوں کا جزیرہ ہے ۔ یہاں تفریح مذہب ہے ۔ بار بیڈوز کی تعارفی کتاب میں ہم کو یہ جملہ لکھا ہوا ملا کہ کرکٹ ہمارا دوسرا مذہب ہے :

Our second religion is Cricket

بار بیڈوز کے اخبارات میں سیاحوں کے تاثرات چھپتے رہتے ہیں ۔ ہم نے اخبار وزیٹر (۲۸ مارچ ۱۹۸۳) میں کناڈا کے باب ینگ (Bob Young) کے تاثرات پڑھے ۔ وہ بارہ سال سے ہر سال اپنی چھٹیاں گذارنے بار بیڈوز آتے ہیں ۔ انہوں نے بار بیڈوز کے سکون اور خوبصورتی کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا ۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ بار بیڈوز میں ہمیشہ رہوں :

I just want to stay in Barbados forever

آدمی ابدی جنت چاہتا ہے مگر اس کو موجودہ زندگی میں صرف وقتی جنت دی گئی ہے ۔

ہندستان سے نکل کر کریبین سمندر میں پہنچنا گویا کرہ ارض کا تقریباً نصف حصہ طے

کرنا ہے۔ اس قسم کا سفر کیسا عجیب ہے، اس کا تصور آپ اس طرح کر سکتے ہیں کہ جب میں ہندستان میں تھا تو گویا میں زمین کے اوپر کھڑا ہوا تھا۔ مگر جب میں اپنی منزل پر پہنچا تو ہندستان کی نسبت سے وہاں میں زمین کے نیچے لٹکا ہوا تھا۔

میرا قیام سام لارڈ کیسل کے کمرہ نمبر ۴۲۲ میں تھا۔ یہ ہوٹل دراصل ایک رزورٹ (Resort) ہے جو سمندر کے کنارے ۲۷ ایکڑ رقبہ میں پھیلا ہوا ہے۔ ہمارے کمرہ کے ایک طرف سرسبز پھولوں کا قدرتی منظر تھا۔ اور دوسری طرف بحر اٹلانٹک کا پانی ہر وقت موجیں مارتا ہوا نظر آتا تھا۔ یہ ایک ایسا ماحول تھا جہاں ایک طرف اتھاہ سمندر خدا کی عظمت کا اعلان کر رہا تھا۔ دوسری طرف پھولوں اور درختوں کا ہرا بھرا منظر اور ان میں اڑتی ہوئی چڑیوں کی آوازیں خدائے حمد کے نغمے بکھیر رہی تھیں۔ دہلی اور بمبئی میں آدمی اپنے آپ کو تمدن کے پنجرے میں بند پاتا ہے۔ یہاں وہ ہر آن محسوس کرتا ہے کہ ہم خدا کے پڑوس میں ہیں۔ ہم قدرت کی فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں۔

بار بیڈوز میں میں نے جو چیزیں دیکھیں ان میں ایک خاص چیز ہیر لیسن غار (Harrison's Cave) تھے۔ یہ غار اولاً ایک مغربی سیاح نے دریافت کئے۔ ان غاروں کے اندر قدرت کے بعض عجیب مناظر ہیں اور ان کے اندر آبشار اور چشمے جاری ہیں۔ مجموعی طور پر تقریباً ایک میل کی لمبائی میں سرنگ کھود کر سڑک بنائی گئی ہے۔ اس کے اندر خاص طرح کی ٹرام کے ذریعہ دیکھنے والے اندر جاتے ہیں۔ اور مصنوعی روشنی میں غار کے مناظر دیکھ کر باہر آتے ہیں۔

غار کے وسط میں پہنچ کر ایک منٹ کے لئے تمام روشنیاں بجھا دی جاتی ہیں تاکہ زائرین کو غار کے اندر کی صورت حال کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ ہم نے ۱۶ اپریل کو یہ غار دیکھے۔ اندر پہنچ کر جب روشنی بجھائی گئی تو وہاں مکمل تاریکی تھی۔ کسی بھی قسم کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔ آنکھ رکھتے ہوئے ہم سب لوگ اندھے تھے۔ غار کے باہر سورج روشن تھا۔ مگر غار کے اندر تاریکی ہی تاریکی تھی۔ روشنی خدا کا ایک عجیب و غریب انعام ہے۔ اگر خدا کسی سے روشنی واپس لے لے تو اس کے بعد اس کے لئے اس دنیا میں اندھیرے کے سوا اور کچھ نہیں۔ من لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور۔

کانفرنس میں کریبین جزائر کے نمائندے شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ دیگر

ممالک کے اہل علم بھی معقول تعداد میں مدعو تھے۔ مجموعی طور پر تقریباً دو درجن ملکوں کی نمائندگی یہاں موجود تھی۔ ڈیلی گیٹوں کی تعداد ایک سو سے زیادہ تھی۔

کانفرنس کی کارروائی ۳۱ مارچ ۱۹۸۳ کی شام کو تلاوت قرآن سے شروع ہوئی، پہلے دن افتتاحی کارروائی کے بعد صدر کانفرنس کا خطاب ہوا۔ اگلے دنوں میں چھ مقالے پیش ہوئے۔ ہر مقالہ اولاً پڑھا گیا اور اس کے بعد اس کے بارہ میں سوال و جواب ہوا۔

پروگرام کے مطابق یہاں تین دن کے اندر چھ مقالے پیش کئے گئے۔ پہلا مقالہ میرا تھا جو ۲ اپریل ۸۳ کو پیش کیا گیا۔ یہ علاقہ چونکہ مغربی علاقہ ہے۔ یہاں کے لوگوں کی مادری زبان انگریزی ہے۔ کانفرنس کی تمام کارروائی انگریزی میں ہوئی۔ اس لئے یہ مقالہ میں نے انگریزی میں تیار کیا۔ مقالہ تقریباً ۴۵ منٹ کا تھا۔ مقالہ پڑھنے کے بعد لوگوں نے سوالات کئے جن کے جوابات بھی میں نے انگریزی میں دئے۔

یہ میری زندگی میں غالباً پہلا موقع تھا کہ میں نے انگریزی میں مقالہ پیش کیا اور انگریزی زبان میں لوگوں کے سوالات کے جواب دئے۔ امریکہ کے ایک نومسلم عبداللہ مصطفیٰ (قدیم نام اسٹیو اسکلر) کئی بار ہمارے دفتر میں آئے ہیں۔ میرے خیالات سننے کے بعد انہوں نے کہا کہ آپ کے لئے دعوتی کام کا اصل میدان امریکہ ہے۔ دوسرے حضرات جو اس وقت وہاں اسلام کی نمائندگی کر رہے ہیں، ان کے مقابلہ میں آپ کا انداز دعوت مغرب کو زیادہ اپیل کرنے والا ہے۔ میں نے کہا امریکہ میں کام انگریزی زبان میں کرنا ہوگا۔ اور مجھ کو انگریزی بولنے کی زیادہ مشق نہیں۔ انہوں نے کہا کہ آخر مجھ سے آپ انگریزی میں بات کرتے ہیں اور میں اچھی طرح آپ کے نقطہ نظر کو سمجھ لیتا ہوں۔ آپ کا انداز سائنٹفک ہوتا ہے اس لئے وہ جلد سمجھ میں آجاتا ہے۔ مجھے ابھی تک عبداللہ مصطفیٰ صاحب کی بات پر زیادہ یقین نہیں تھا۔ مگر باربیڈوز کی کانفرنس کے تجربہ کے بعد اس بارے میں اب خدا کے فضل سے مجھے اعتماد ہو گیا ہے۔

میں نے اپنا مقالہ ۲ اپریل ۱۹۸۳ کی صبح کی نشست میں پڑھا۔ مقالہ ختم کرنے کے فوراً بعد ایک صاحب کھڑے ہوئے۔ میں سمجھا کہ وہ کوئی اعتراض کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ مگر انہوں نے یہ کہا کہ یہ مقالہ ایسا نہیں ہے کہ وہ صرف ایک بار پڑھ دیا جائے۔ یہ

مستقل اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے ہم سب لوگوں کو اس کے ایک ایک نسخے فراہم کئے جائیں۔ صدر اجلاس کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ مقالہ کی کاپیاں تیار کی جارہی ہیں اور اسی اجلاس کے دوران وہ تمام لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اگلے دن مقالہ کی مطبوعہ کاپی ہر شریک اجتماع کی میز پر موجود تھی۔

پانچ دن کی ہر نشست قرآن کی تلاوت سے شروع ہوئی۔ مسلمانوں کا ہر اجتماع ہمیشہ قرآن کی تلاوت سے شروع ہوتا ہے۔ جب بھی اس طرح کا موقع آتا ہے تو مجھ پر ایک عجیب احساس ہوتا ہے۔ قرآن کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے ہر صفحہ پر آخرت اور جنت اور دوزخ کا بیان ہے۔ چنانچہ جب بھی قرآن کا کوئی حصہ قاری پڑھتا ہے تو اس میں ہمیشہ آخرت کا اور جنت دوزخ کا بیان انتہائی شدت کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ یہی وہ بات جو بطور "تلاوت" ہر اجتماع میں دہرائی جاتی ہے وہی آج تک میرے کانوں نے خود اجتماع کی کاروائیوں میں کہیں نہیں سنی۔ دوسرے لوگ جو کسی اجتماع سے لوٹ کر آتے ہیں ان سے بھی جب متعلقہ اجتماع کی کاروائی کے بارہ میں میں پوچھتا ہوں تو ہمیشہ ایسی تفصیلات سننے کو ملتی ہیں جن میں سب کچھ ہوتا ہے مگر یہی ایک چیز نہیں ہوتی۔ اجتماع کا خاتمہ ۴ اپریل ۱۹۸۳ کو قرآن کی تلاوت اور دعا پر ہوا۔

ڈاکٹر معتوق الزبیدی نے اپنی تقریر میں ایک ایمان افروز واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ویٹکن کے پوپ نے ساحل العاج (Ivory Coast) کا دورہ کیا۔ پوپ کی آمد پر حکومت نے ہدایت جاری کی کہ تمام لوگ، خواہ وہ جس مذہب کے بھی ہوں پوپ کے استقبال کے لئے نکلیں۔ چنانچہ مسلمانوں کو بھی اس عمومی حکم کے تحت نکلنا پڑا۔ مسلمان دوسرے لوگوں کے ساتھ میدان میں جمع ہوئے۔ وہاں ظہر کا وقت آگیا۔ مسلمانوں نے یہ کیا کہ وہیں بلند آواز سے اذان دی اور میدان میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پوپ نے باجماعت نماز کا منظر دیکھا تو اس پر بہت اثر ہوا۔ پوپ نے کہا: جب تک مسلمان کے اندر یہ اتحاد اور اسپرٹ باقی ہے ہمارا وجود یہاں بالکل بے معنی ہے۔

ایک مصری عالم (عبد المنعم الخطاب) جو امریکہ میں رہتے ہیں، نے بتایا کہ امریکہ کے بلیک مسلم آج اس سے مختلف ہیں جو اس کے ابتدائی بانی ایلیجا محمد کے زمانہ میں تھے۔

ایلیجا محمد سفید فام تہذیب کا ردعمل تھے ۔ انہوں نے کہا کہ اسلام صرف کالوں کا مذہب ہے ۔جنت میں کالے لوگ جائیں گے ۔ انہوں نے رسول خدا ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔

مگر بلیک مسلم کے موجودہ قائد جو ایلیجا محمد کے لڑکے ہیں، جن کا اصل نام اکبر ہے انہوں نے الازھر (قاہرہ) میں تعلیم حاصل کی ۔ اس کے بعد بلیک مسلم طبقہ کے لوگ کثرت سے مسلم ممالک میں گئے ۔ انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا ۔ وہ حج کرنے گئے ۔ ان تجربات نے ان میں بنیادی تبدیلیاں کیں ۔ خاص طور پر حج میں انہوں نے دیکھا کہ کالے اور گورے ہر قسم کے لوگ ایک ہی قسم کا لباس پہنے ہوئے کعبہ کے گرد طواف کر رہے ہیں ۔ اب بھی اگرچہ بلیک مسلموں میں کچھ خرابیاں ہیں مگر اب انہیں پہلے کی طرح گمراہ نہیں کہا جا سکتا ۔

کانفرنس کی کاروائیاں شہر (برج ٹاؤن) سے باہر ایک ہوٹل میں ہوئیں ۔ برج ٹاؤن میں پانچ سو سے کچھ زیادہ مسلمان آباد ہیں ۔ ان میں سے کچھ لوگ میرے پاس آئے اور شہر جانے کے لئے اصرار کیا ۔ چنانچہ میں کانفرنس سے فارغ ہو کر شہر چلا گیا ۔ اور وہاں چار روز برابر قیام رہا ۔

باربیڈوز میں مسلمان نسبتاً زیادہ ہیں ۔ تاہم کریبین کے اکثر جزیروں میں مسلمان آباد ہیں ۔ یہ لوگ ابتداءً برطانی سلطنت کے زمانہ میں انیسویں صدی میں یہاں آئے ۔ انگریز ان کو زرعی مزدور کے طور پر یہاں لائے تھے ۔ اب یہ لوگ یہاں کے باشندے ہیں اور زیادہ تر تجارت کا کام کرتے ہیں ۔

باربیڈوز (برج ٹاؤن) میں دو مسجدیں ہیں ۔ دونوں آباد ہیں ۔ ان دونوں مسجدوں میں اور مسجد کے باہر میری چند تقریریں ہوئیں ۔ لوگ بہت دلچسپی کے ساتھ سنتے رہے ۔ وہ مصر تھے کہ میں مزید کچھ دن باربیڈوز میں ٹھہروں ۔ کچھ لوگ مجھ کو باصرار ٹرینیڈاڈ لے جانا چاہتے تھے ۔ اور وہاں کم از کم دو ہفتہ کا پروگرام رکھ رہے تھے ۔ مگر بعض فوری کاموں کی وجہ سے مجھے دہلی جلد واپس آنا ضروری تھا اس لئے میں ٹرینیڈاڈ (Trinidad) کا سفر نہ کر سکا ۔

باربیڈوز میں جو مسلمان ہیں وہ زیادہ تر گجرات (ہندستان) کے علاقہ سے آئے ہوئے ہیں ۔ یہ لوگ زیادہ تر پھیری کی تجارت کرتے ہیں ۔ وہ برج ٹاؤن کی بڑی بڑی

دکانوں سے مختلف مال (مثلاً کپڑا وغیرہ) خریدتے ہیں اور اس کو کار پر رکھ کر بستیوں میں جاتے ہیں اور ادھار فروخت کرتے ہیں۔ ان کا کاروبار زیادہ تر ان لوگوں کے درمیان ہوتا ہے جو نقد ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور سامان خرید کر قسطوں میں اس کی ادائیگی کرتے ہیں۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر یہ مسلمان تاجر دوگنی قیمت پر ان کے ہاتھ مال بیچتے ہیں اور عام دکانداروں سے زیادہ نفع کماتے ہیں۔ یہاں کی زبان میں ان کو "قلی مان" کہا جاتا ہے۔ یعنی "قلی مین"۔

باربیڈوز کے لوگ اب اس حقیقت کو جاننے لگے ہیں۔ ۱۵ اپریل ۱۹۸۳ کو اسی قسم کے ایک مسلمان مجھے اپنی تجارتی گاڑی پر لے کر جا رہے تھے۔ ہم لوگ یہاں کا ایک تاریخی مقام دیکھنے جا رہے تھے۔ راستہ میں باربیڈوز کے کچھ عیسائی نوجوان ملے جو مذکورہ "قلی مان" کے گاہک تھے۔ ایک نوجوان نے ان کو دیکھا تو ہنس کر کہا ـــــ تم غریب کو دھوکہ دے کر لوٹنے جا رہے ہو:

You are going to cheat the poor

اس نوجوان نے یہ بات اگرچہ مذاق کے طور پر کہی۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ یہاں کی نئی نسل میں یہ احساس بڑھ رہا ہے کہ ہندستانی لوگ ان کو لوٹتے ہیں۔ ایسی حالت میں یہاں کے ہندستانی مسلمانوں کے لئے عقل مندی یہ ہے کہ وہ اپنے کو حالات کے مطابق بنالیں قبل اس کے کہ مذاق حقیقت کی صورت اختیار کرلے۔

"قلی مان" لوگوں کا کام چونکہ کار کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس لئے تھوڑے دنوں میں وہ ایک "شاندار" کار خرید لیتے ہیں۔ اب مقامی لوگ جب ان کو شاندار کاروں میں سفر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کے اندر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ باہر سے آنے والوں کے پاس شاندار کاریں ہیں اور ہمارے پاس کچھ نہیں۔ کار کو چلتی پھرتی دکان کی صورت دینا بہت عمدہ ہے مگر موجودہ حالت میں وہ غیر ضروری طور پر مسلمانوں کی خوشحالی کا چلتا پھرتا اعلان بن گیا ہے اور مقامی باشندوں میں ان کے خلاف حسد اور رقابت کے جذبات کو بڑھا رہا ہے۔

۸ اپریل ۱۹۸۳ کو میں نے باربیڈوز سے نیویارک کے لئے سفر کیا۔ بی ڈبلیو آئی اے (BWIA) کی فلائٹ سے پانچ گھنٹہ کی پرواز تھی۔ باربیڈوز سے نیویارک کا سفر پورا کا پورا

اٹلانٹک کے اوپر ہوا۔ پانچ گھنٹہ کی مسلسل پرواز کے بعد ہم جان کنیڈی ایرپورٹ پر اترے۔ یہ امریکی ایرپورٹ کافی بڑا ہے مگر وہ مجھ کو جدہ کے بین اقوامی ایرپورٹ سے کم شاندار نظر آیا۔

مجھے بعض ضرورتوں کے تحت جلد دہلی پہنچنا تھا۔ اس لئے اصرار کے باوجود میں باربیڈوز میں کم ٹھہرا اور وہاں سے ٹرینیڈاڈ بھی نہ جاسکا۔ چنانچہ میں نیویارک میں بھی زیادہ قیام نہ کر سکتا تھا۔ صرف ایک دن وہاں گزارے۔ خوش قسمتی سے مجھے ایک امریکن مل گیا۔ یہ سیکورٹی گارڈ کا ایک افسر تھا اور بہت شریف اور معقول آدمی تھا۔ اس سے میں نے اپنا تعارف کرایا۔ اپنی بعض انگریزی چیزیں اس کو دیکھنے کے لئے دیں۔ اور پھر اس سے کہا کہ نیویارک میں میرے لئے زیادہ قیام کا وقت نہیں ہے۔ البتہ میں نیویارک کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ بخوشی راضی ہوگیا۔ اس نے مجھ کو اپنی گاڑی پر بیٹھایا اور نیویارک کی سڑکوں پر گھماتا رہا۔ اس طرح چند گھنٹوں کے اندر میں نے نیویارک شہر پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی۔

مگر یہاں بھی وہی بات پیش آئی جو میں نے کنیڈی ایرپورٹ کے بارے میں لکھی ہے۔ نیویارک کی ظاہری عظمتوں میں مجھے ایک قسم کی پستی لپٹی ہوئی نظر آئی۔ یہاں کی اونچی اونچی عمارتیں مجھے عمودی سلم (Vertical Slum) کے روپ میں دکھائی دیں۔ اس کی مادی رونقوں میں روحانی تاریکی کا احساس ہوا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں مادی ترقی کے قبرستان میں پہنچ گیا ہوں نہ کہ کسی قسم کی مادی ترقیات کی جنت میں۔

آخر میں جب مذکورہ امریکی نے مجھے ہوائی اڈہ پر لاکر چھوڑا تو میں نے اس کا نام و پتہ پوچھا۔ اس نے اپنا نام لوئی (Mr. Louis) بتایا۔ مگر پتہ بتانے سے یہ کہہ کر معذرت کردی ـــــ "ہم سیکورٹی کے لوگ ہیں، ہم کو اپنا پتہ بتانے کی اجازت نہیں"

میرا یہ سفر دہلی سے شروع ہوا۔ اور لندن، باربیڈوز اور نیویارک ـــــ ہوتا ہوا دوبارہ دہلی پر ختم ہوا۔ اس پورے سفر کی مسافت تقریباً ۲۴ ہزار میل تھی، یعنی تقریباً اتنی ہی جتنی زمینی گولائی کی کل مسافت ہے۔

مختصر مدت میں یہ طویل سفر طے کرکے میں ۲۰ اپریل ۱۹۸۳ کو ایرانڈیا کی فلائٹ نمبر ۱۱۰ سے دہلی ایرپورٹ پر اترا تو میرے ذہن میں ایک عجیب خیال آیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ قیامت قریب آگئی ہے اور خدا نے مادہ (Matter) کو حکم دے دیا ہے کہ وہ زندگی کے سفر کو

انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ تمام کر دے تاکہ خدا اپنی آخری عدالت قائم کرے جہاں خدا کے گواہ لوگوں کے بارہ میں اپنی گواہیاں پیش کریں اور ہر ایک کے لئے اس کے عمل کے مطابق ابدی جنت یا ابدی جہنم کا فیصلہ کر دیا جائے۔

آج زمین پر بے شمار سرگرمیاں جاری ہیں مگر وہی کام نہیں ہو رہا ہے جو سارے تخلیقی منصوبہ کا اصل مطلوب ہے۔ یعنی حمد خداوندی۔ موجودہ انسانی دنیا اپنے وجود کا جواز کھو چکی ہے۔ اب آخری طور پر وہ لمحہ آچکا ہے جب کہ موجودہ امتحانی دنیا کو ختم کر دیا جائے اور وہ معیاری دنیا شروع ہو جہاں خدا کے سوا کسی اور کی حمد نہ کی جا سکے۔ جو حقیقی بھی ہو اور اسی کے ساتھ ابدی بھی۔

اس کے باوجود موجودہ دنیا کیوں ختم نہیں کی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کو ایک آخری عمل کا انتظار ہے جو ابھی تک اَن ہوا پڑا ہے۔ یہ عمل ہے آج کے انسانوں کے اوپر اتمام حجت۔ جب تک یہ نہ ہو کہ دعوت حق اٹھائی جائے اور اس کو ابلاغ تام کی حد تک پہنچا دیا جائے۔ اس وقت تک موجودہ دنیا کا خاتمہ ممکن نہیں۔ اس عمل کی تکمیل تک قیامت معلق پڑی رہے گی۔ خدا کو آج سب سے زیادہ اعلان حق کا انتظار ہے۔ مگر دین کے نام پر بے شمار سرگرمیوں کے باوجود یہی وہ کام ہے جس کا کرنے والا کوئی نہیں۔ ہر آدمی خود ساختہ دین کی تبلیغ میں مصروف ہے نہ کہ حقیقۃً خدا کے دین کی تبلیغ میں۔

مسلمانوں میں اسلام کی دھوم تو در کنار ہندستان کے ہندوؤں یا افریقہ کے مشرک قبیلوں میں دین کا پیغام پہنچانے سے بھی اتمام حجت کی وہ شرط پوری نہیں ہوتی جو آج خدا کو مطلوب ہے۔ آج خدا کو عالمی اتمام حجت کا انتظار ہے اور عالمی اتمام حجت صرف اس وقت متحقق ہوگا جب کہ وہ ان قوموں پر انجام دیا گیا ہو جن کو آج کی دنیا میں لیڈر شپ کا مقام حاصل ہے۔ یعنی مغربی قومیں، خاص طور پر امریکہ۔ جن قوموں کو آج عالمی لیڈر شپ کی حیثیت حاصل ہے ان پر اتمام حجت ہی سے عالمی اتمام حجت کی شرط پوری ہوگی اور اس کے بعد ہی یہ ممکن ہے کہ خدا اسرافیل کو حکم دے کہ اب صور پھونک دو تاکہ تخلیقی منصوبہ کے آخری مرحلہ کی تکمیل کی جا سکے۔

مسلمانان عالم کو آج یہی کام انجام دینا ہے۔ اسی پر ان کی قسمت کا آخری فیصلہ معلق ہے، دنیا کی قسمت کا بھی اور آخرت کی قسمت کا بھی۔

جواہر الحدیث (اردو)

تالیف : شمس پیرزادہ

- جس میں حیات طیبہ کی چند جھلکیاں، تعمیر کردار، بگاڑ پیدا کرنے والی باتیں، سیاست و حکومت، دنیا کی حیثیت، شرک و بدعت، رسالت محمدی، زندگی بعد موت اور قبول اسلام کے واقعات جیسے عنوانات پر ارشادات رسول پیش کئے گئے ہیں اور احادیث کے انتخاب میں صحت کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔
- دعوت و اصلاح کے پہلوؤں کو لئے ہوئے۔
- عربی متن، سلیس ترجمہ اور دل نشیں تشریح۔
- مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے مفید۔
- تحفہ میں پیش کرنے کے لائق۔
- عمدہ طباعت اور دیدہ زیب ٹائٹل۔ • صفحات ۱۹۲ — قیمت صرف سات روپے ۷/-

ادارہ دعوۃ القرآن ۵۹ - محمد علی روڈ، بمبئی ۳

تذکیر القرآن

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی تفصیلات اور غیر متعلق معلومات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام و خواص دونوں کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبین قرآن کے لئے فہم قرآن کی کنجی ہے۔

ہدیہ مجلد: پچاس روپے

مکتبہ الرسالہ

جمعیۃ بلڈنگ - قاسم جان اسٹریٹ - دہلی ۱۱۰۰۰۶

THE INTRODUCTION TO ISLAM SERIES

The INTRODUCTION TO ISLAM SERIES is the rendering into English of the Urdu Ta'arufi Set by Maulana Wahiduddin Khan. It provides the general public with an understanding of the basic teachings of divinely revealed religion.

The titles in this series:

1. **The Way to Find God**
2. **The Teachings of Islam**
3. **The Good Life**
4. **The Garden of Paradise**
5. **The Fire of Hell**

Maktaba Al-Risala

Jamiat Building, Qasimjan Street, Delhi 110 006

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ——— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن دضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔ بشرطیکہ پرچے خراب نہ ہوئے ہوں۔

دوسری صورت ——— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ۱۱ روپیہ ۲۵ پیسے ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ ۱۳۵ روپے یا ماہانہ ۱۱ روپیہ ۲۵ پیسے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول لے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

Regd. D(DN) No. 532 Issue No. 79

AL-RISALA MONTHLY

Jamiat Building, Qasimjan Street, Delhi - 110 006 (India)
Telephone : 232231, 526851

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

۱- تذکیر القرآن جلد اوّل ہدیہ ۵۰/-
۲- الاسلام ۱۵/-
۳- مذہب اور جدید چیلنج ۲۰/-
۴- ظہور اسلام ۲۰/-
۵- احیاء اسلام ۱۲/-
۶- پیغمبر انقلاب ۲۰/-
۷- دین کیا ہے ۲/-
۸- قرآن کا مطلوب انسان ۵/-
۹- تجدید دین ۳/-
۱۰- اسلام دین فطرت ۳/-
۱۱- تعمیر ملت ۳/-
۱۲- تاریخ کا سبق ۳/-
۱۳- مذہب اور سائنس ۵/-
۱۴- عقلیات اسلام ۳/-
۱۵- فسادات کا مسئلہ ۲/-
۱۶- انسان اپنے آپ کو پہچان ۱/-
۱۷- تعارف اسلام ۲/۵۰
۱۸- اسلام پندرھویں صدی میں ۲/-
۱۹- راہیں بند نہیں ۳/-
۲۰- ایمانی طاقت ۳/-
۲۱- اتحاد ملت ۳/-
۲۲- سبق آموز واقعات ۳/-
۲۳- زلزلۂ قیامت ۴/-
۲۴- حقیقت کی تلاش ۳/-
۲۵- پیغمبر اسلام ۲/-
۲۶- منزل کی طرف ۴/-
۲۷- حقیقت حج (زیر طبع)
۲۸- Mohammad The Ideal Character 3/-

تعارفی سٹ

۲۹- سچا راستہ ۱/-
۳۰- دینی تعلیم ۳/-
۳۱- حیات طیبہ ۲/۵۰
۳۲- باغ جنت ۳/-
۳۳- نار جہنم ۳/-

مکتبہ الرسالہ □ جمعیۃ بلڈنگ □ قاسم جان اسٹریٹ □ دہلی ۶